زندگی بے بندگی شرمندگی

۹

اُخوّتِ اسلامی

بنتُ الاسلام

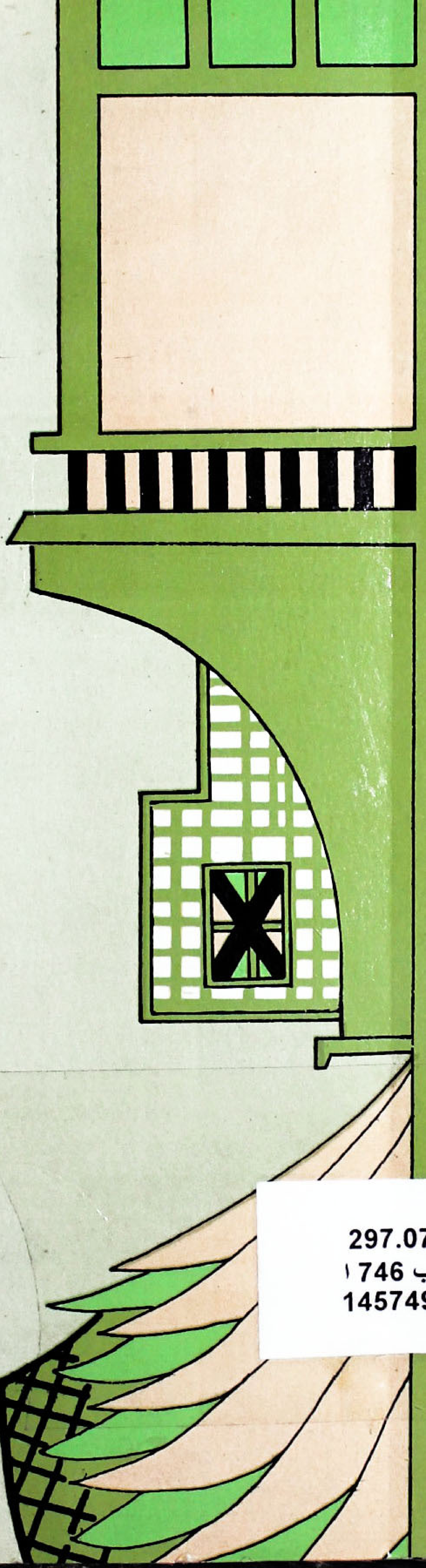

297.07
ب 746 ا
14574

Marfat.com

زندگی بے بندگی شرمندگی : ۹

اخوتِ اسلامی

بنت الاسلام

ادارۂ بتول

سید پلازہ ، ۳۰ فیروز پور روڈ لاہور

Marfat.com

297-07
ا 746 ب
145789

طابع وناشر	——————	ادارہ بتول لاہور
طبع اوّل	——————	سنہ ۱۴۰۴ھ سنہ ۱۹۸۴ء
تعداد	——————	۱۱۰۰
مطبع	——————	
بار دوم	——————	۱۹۸۶ء
بار سوم	——————	۱۹۸۹ء
بار چہارم	——————	۱۹۹۱ء
بار پنجم	——————	۱۹۹۲ء
بار ششم	——————	۱۹۹۳ء
بار ہفتم	——————	۱۹۹۶ء
بار ہشتم		۱۹۹۷ء

قیمت: ۵۰ روپے

Marfat.com

ترتیب

	صفحہ
تعارف	۷
اسلام میں قومیت کی بنیاد	۱۱
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ	۲۳
باہمی اتفاق ومحبت کی برکات	۳۱
باہمی محبت وخیر خواہی کا ایک قدرتی تقاضا	۴۰
صالحین امت کا عمل	۴۲
باہمی بے اتفاقی اور ایذا رسانی کی ممانعت	۵۱
بے اتفاقی کے نقصانات	۵۲
بے اتفاقی کی ممانعت	۵۹
باہمی ایذا رسانی کی ممانعت	۶۴
جاہلی عصبیتیں	۸۳
نسلی اور علاقائی عصبیتیں	۸۸

Marfat.com

صفحہ

صوبائی اور لسانی تعصبات	۹۴
طبقاتی کش مکش	۱۰۰
اسلامی مساوات	۱۰۶
ذاتوں اور برادریوں کے امتیازات	۱۱۶
حضورؐ کے فرامین	۱۲۲
اپنے اندر سے اٹھ کھڑے ہونے والے اختلافات	۱۲۸
فقہی مسالک	۱۲۹
شیعہ سنی جھگڑے	۱۳۶
اصلاحی تنظیمیں	۱۴۱
حضورؐ کے ارشادات	۱۴۷
تکفیر پر تنبیہہ	۱۵۰
مصلحین کا طرزِ عمل	۱۵۲
اسلامی اخوت کے محرکات	۱۵۹
حبِ دین	۱۶۰
سمجھ داری، فراخدلی، وسیع النظری	۱۶۵
صلح کرانا	۱۷۶
سلام، ہدیہ، دعوت	۱۸۴
سلام	۱۸۵
ہدیہ	۱۹۱
دعوت	۱۹۴

Marfat.com

	صفحہ
قربی ماحول	۱۹۶
حقوق کی ادائیگی	۲۰۶
اعتدال	۲۰۹
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا	۲۱۶
انا کو زیر کرنا	۲۲۲
حبِ دین، سمجھ داری، وسیع النظری	۲۲۷
آیاتِ الٰہی	۲۲۹
پیوستہ رہ شجر سے	۲۳۱

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

پیشِ نظر تالیف اپنے سلسلے کی نویں کتاب ہے۔ اس سے پہلے مندرجہ ذیل موضوعات پر آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ آخرت
۲۔ حبِ الٰہی
۳۔ داعی کے اوصاف
۴۔ نفس کا تزکیہ
۵۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ
۶۔ صیامِ رمضان و حج بیت اللہ
۷۔ حقوق العباد
۸۔ علم

کلام پاک اور احادیث نبویہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے

Marfat.com

بزرگ و برتر اور خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہمی الفت ومحبت، ہمدردی وخیر خواہی اور صلح واتفاق پر تاکیدی زور دیا ہے اپنے مسلمان بھائی کو صرف خندہ پیشانی سے مل لینے کو بھی نیکی شمار کیا گیا ہے۔ اور باہمی بے اتفاقی کو "مونڈنے والی" کا خطاب دے کر واضح فرمایا گیا ہے کہ باہمی بے اتفاقی نیکیوں کو جڑ سے ختم کر دیتی ہے یا دین کو جڑ سے مٹا دیتی ہے۔ یا امت مسلمہ کو جڑ سے برباد کر دیتی ہے۔

جیسا کہ اس سلسلے کے شروع میں واضح کر دیا گیا ہے اس میں انہیں موضوعات کو چُنا گیا ہے جن کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا باہمی اتفاق ومحبت بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جس کا ہونا بے حد وحساب خیر د برکت کا باعث، اور نہ ہونا بے پناہ کمزوری وناطاقتی، ذلت وبے چارگی اور غم والم کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

باہمی اتفاق ومحبت سے مسلمان طاقت وقوت حاصل کرتے ہیں، طاقت وقوت انہیں بالادستی اور تسلط عطا کرتی ہے۔

بالادستی اور تسلط سے انہیں بے شمار دینی اور دنیوی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان دینی اور دنیوی برکات کا حصول انہیں دلوں کا چین اور اپنی اور پرایوں کی نگاہ میں عزت واحترام عطا کرتا ہے۔

اس کے برعکس جب وہ بے اتفاقی کے باعث ٹکڑوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو اپنی نفرت اور مظالم کا نشانہ بنانا شروع کر دیتے ہیں تو ان کی صفوں میں کمزوری اور ناطاقتی پیدا ہو جاتی ہے،

اس کمزوری اور ناطاقتی کے باعث آخر اغیار ان پر مسلط ہو جاتے ہیں، اغیار کے مسلط ہو جانے کے باعث وہ دنیاوی خوش حالی بھی کھو بیٹھتے

Marfat.com

ہیں اور ان بُری عادات کا شکار بھی ہو جاتے ہیں جو غلامی اور مجبوری و مقہوری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔

اور پھر افلاس، مجبوری و مقہوری اور غلامی سے پیدا ہونے والی بُری عادات انہیں انواع و اقسام کی الجھنوں اور پریشانیوں، مصائب و آلام اور ذلت و رسوائی کا شکار بنا دیتی ہیں۔

گھروں کے اندر اٹھ کھڑے ہونے والے طوفانوں سے لے کر عالم اسلام کے بڑے بڑے اور جان لیوا اختلافی مسائل تک جس پریشانی کے ماخذ پر بھی غور کریں یہی پتہ چلتا ہے کہ دلوں میں اسلامی اخوّت کا نہ ہونا، دلوں کا ایک دوسرے کی محبّت اور خیر خواہی سے خالی ہونا، ایک دوسرے کے مقابلے میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام نہ لینا اور ایک دوسرے کو اپنے غصّے نفرت اور انتقام کا نشانہ بنانا آخرت کو برباد کرنے کے علاوہ دنیوی زندگی میں بھی زہر گھول رہا ہے۔ اس کتاب میں حتی الامکان یہی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبّت اور ہمدردی و خیر خواہی کی فضیلت تاکید اور برکات پر جتنا بھی مؤثر مواد مل سکے ایک ترتیب سے پیش کر دیا جائے۔

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ۔

——— بنتُ الاسلام

Marfat.com

Marfat.com

اسلام میں قومیت کی بنیاد

لفظ "قوم" عموماً انسانوں کے اس گروہ کے لیے بولا جاتا ہے جس کے افراد میں کچھ بنیادی چیزیں مشترک ہوں۔ یہ چیزیں جن کے کسی انسانی گروہ کے افراد میں مشترک ہونے کے باعث اس گروہ کو ایک قوم کہا جاتا ہے عموماً چار بتائی جاتی ہیں۔

نسل،

رنگ،

علاقہ،

اور زبان۔

پھر وہی چیزیں جن کے مشترک ہونے کے باعث کوئی انسانی گروہ "قوم" بنتا ہے اس قوم کی قومیت کی بنیاد کہلاتی ہیں۔ مثلاً انگلستان کے علاقہ

Marfat.com

میں رہنے والے اور انگریزی زبان بولنے والے ایک قوم ہیں جنہیں انگریز کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ انگلستان کا علاقہ اور انگریزی زبان انگریز قوم کی قومیت کی بنیادیں ہیں۔ اسی پر دوسری قوموں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اب یہاں جو بات ذہن نشین کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اگر دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کے طالب ہیں تو انہیں اچھی طرح پتہ ہونا چاہیئے کہ ان کی قومیت کی بنیاد کیا چیز ہے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ مسلم قوم کی قومیت کی بنیاد ان چاروں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ ایک پانچویں چیز ہے اور وہ ہے دین اسلام۔ جو لوگ دین اسلام پر ایمان لائے ہیں وہ سب مل کر ایک قوم بنتے ہیں جسے ملت اسلامیہ کہا جاتا ہے۔ اس ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والوں کو محض دوسروں کی نقالی میں کسی ایسی چیز کو اپنی قومیت کی بنیاد بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے جو درحقیقت ان کی قومیت کی بنیاد نہیں ہے ورنہ وہ اپنے آپ کو شدید نقصان پہنچائیں گے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس ملت اسلامیہ میں سارے رنگوں اور سب نسلوں کے لوگ موجود ہیں۔ یہ ان گنت علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اور بے شمار زبانیں بولنے والے اس میں شامل ہیں۔ اب اگر ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ان چاروں چیزوں میں سے کسی ایک یا چند چیزوں کو اپنی قومیت کی بنیاد بنا بیٹھیں گے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لاتعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ قومیت کی بنیاد تو وہ چیز ہوتی ہے جو کسی قوم کے لوگوں میں مشترک

Marfat.com

ہونے کے باعث انہیں آپس میں جوڑتی ہے۔ مگر ملت اسلامیہ میں تو نسل
رنگ، علاقہ یا زبان میں سے کوئی چیز بھی عالم گیر طور پر مشترک نہیں۔
یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان علاقوں، زبانوں، نسلوں یا رنگوں کو ذہن
پر سوار کر لیتے ہیں تو پھر وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنا اور
اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ انجام کار وہ دشمنوں کا تر نوالہ بن جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ دین
اسلام ہی کو اپنی قومیت کی بنیاد بنائے رکھیں تو دین چونکہ ساری دنیا
کے مسلمانوں میں مشترک ہے اس لیے وہ انہیں آپس میں جوڑے رکھنے
کے باعث دشمنانِ دین کے مقابلے میں انشاءاللہ سیسہ پلائی ہوئی
دیوار بنا دے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ انسان کو اپنے وطن یا زبان وغیرہ
سے محبت ہو اور اس قسم کی وہ محبت جو دین کو نقصان نہ پہنچائے کوئی
ناجائز شے نہیں تاہم ہر مسلمان کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہمیشہ
ذہن نشین اور دل نشین کیے رکھے کہ وہ پہلے مسلمان ہے اور پھر کچھ اور۔
لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ علاقے یا زبان یا کسی اور چیز کی محبت کو ایک
مناسب حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔ یعنی اس حد پہ نہ پہنچنے دے جہاں
اس نے دین کو نقصان پہنچانے کا باعث بن جانا ہو۔ ایک مسلمان اگر اپنے
علاقے یا زبان یا کسی اور چیز کی محبت میں آ کر کوئی ایسا کام کر گزرتا ہے
جو دین اسلام اور عالم اسلام کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے تو پھر وہ
ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے کے جرم کا آغاز کرتا ہے اگر وہ صحیح معنوں
میں مسلمان ہے تو اسلام اس کی وفاداری کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔
اسلام کا وفادار رہنے سے وہ ملت اسلامیہ کو مضبوط کرنے میں مددگار

Marfat.com

ہوتا ہے۔ اور ملت اسلامیہ کی مضبوطی انجام کار اس کے اپنے علاقے اور زبان کو بھی حفاظت بہم پہنچاتی ہے۔

حضرت نعمان رضؓ بن بشیر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت (کا سلوک) کرنے میں جسم کی مانند ہیں کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو (باقی) سارا جسم جاگتے رہنے میں اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔ (مسلم)

ایسے ہی حضرت ابو موسیٰ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (ایک) مومن (دوسرے) مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصّہ اس کے دوسرے حصے کو مضبوطی بخشتا ہے۔

(مسلم)

یعنی جس طرح ایک عمارت کے مختلف حصّے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو کر اور ایک دوسرے کو سہارا دے کر ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں اسی طرح ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبّت اور اتفاق کے رشتے میں منسلک ہو کر اور ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس رکھ کر اور ایک دوسرے کو امداد بہم پہنچا کر ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بننا چاہیئے۔

مگر یہ کیفیّت تو اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب مسلمان قوم صحیح معنوں میں اس بات پر یقین رکھتی ہو کہ اس کی قومیّت کی بنیاد دین ہے۔ لیکن اگر دین کو بنیاد نہ بنایا جائے گا بلکہ ایسی چیزوں کو بنیاد

Marfat.com

بنا لیا جائے گا جو ساری قوم میں مشترک نہیں تو پھر وہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے کہ اس "جسم" کا ایک پاؤں دوسری ٹانگ کو ٹھڈے مار مار کر اس کی ہڈیاں توڑ رہا ہے۔ اور اُس کی انگلیاں اس کی آنکھیں پھوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور اس کے ہاتھ اس کے دل پر ضربیں لگا لگا کر اسے بند کر دینے کی فکر میں ہیں۔ یہ جو مختلف مسلمان ممالک اور مسلمان جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کرنے اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء تو ہیں جو ایک دوسرے کو فناہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اب جس جسم کے اعضاء خود ہی ایک دوسرے کو توڑنے، زخمی کرنے اور بے کار کر دینے کی سعی میں مشغول ہوں اس کے دشمن پھر اس پر حملہ آور ہونے کی طمع کا کیوں نہ شکار ہوں اور اس کا رہا سہا سرمایہ بھی چھین لینے کی کوشش کیوں نہ کریں۔

سوچیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ غیر شعوری طور پر ہم ایمان اسی بات پر رکھتے ہیں کہ ہماری قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔ علاقے، زبانیں، نسلیں اور رنگ نہیں۔ مثال کے طور پر اپنے وطن پاکستان کے باشندوں کے جذبات و احساسات ہی پر غور کر لیں۔

ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو اپنے بزرگ مانتے ہیں جو عرب تھے،

ہم طارق بن زیاد کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں جو بربری تھے،

ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں جو ترک تھے،

ہم امام بخاریؒ کو اپنا بہت بڑا عالم شمار کرتے ہیں جو ایرانی تھے،

ہم اپنے رہنماؤں میں جمال الدین کو بہت عزت کا مقام دیتے ہیں جو

Marfat.com

افغان تھے۔

غور کیجئے کہ ان سب بزرگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کا پاکستانی علاقوں سے تعلق ہو یا جو اردو زبان کو اپنی قومی زبان کی حیثیت سے بولتا ہو۔ پھر بھی یہ "ہمارے" تھے۔ "ہمارے" ہیں اور انشاء اللہ "ہمارے" رہیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز نے انہیں "ہمارے" بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف دین اسلام نے۔ ہمارا انہیں "اپنا" کہنا اور ان کے کارناموں پر فخر کرنا واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ غیر شعوری طور پر ہم اپنی قومیت کی بنیاد دین ہی کو سمجھتے ہیں۔ علاقے، زبان، نسل اور رنگ کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خود پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی وہ ہستیاں جو دائرہ اسلام سے خارج تھیں انہیں ہم نے کبھی اپنے بزرگ شمار نہیں کیا نہ کبھی دل میں اس بات کا خیال ہی آیا ہے کہ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ ایک عام پاکستانی، جو جاہلی عصبیتوں کا شکار نہ ہو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ راجہ رنجیت سنگھ یا راجہ داہر سے اس کا دور پرے کا بھی کوئی رشتہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اول الذکر کا تعلق پنجاب سے اور آخر الذکر کا سندھ سے تھا۔

اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ ہم غیر شعوری طور پر مانتے ہیں اسے شعوری طور پر بھی مانیں۔ اور اپنی زندگیوں کو اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھالیں۔ ہمیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جو علاقے آج مسلمان علاقے کہلاتے ہیں ان کی وہ تاریخ جو یہاں اسلام آنے سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے ان علاقوں کی تاریخ کا حصہ تو ہے مگر وہ مسلم قوم کی تاریخ کا حصہ نہیں۔ اور جو ہستیاں ان سب علاقوں میں ایسی

Marfat.com

گزریں جو نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان نہیں رکھتی تھیں وہ ان علاقوں کے مسلمانوں کے بزرگ اور ہیرو نہیں۔ ان مسلم ممالک میں بے شمار ایسے ہیں جہاں اسلام آنے سے پہلے بت پرست تہذیبیں قائم تھیں۔ اور جہاں کی بڑی بڑی شخصیتیں بتوں کے آگے سر جھکاتی تھیں۔ ان جاہلی تہذیبوں کو اپنی تاریخ کا حصہ قرار دینا اور ان بُت پرست شخصیتوں کو اپنے بزرگوں میں شمار کرنا اپنے دین اور اپنی تاریخ دونوں کی بے ادبی کرنا ہے۔

مسلمانوں کا سیاسی طور پر بہت سے ملکوں میں بٹ جانا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ وہ مسلم قومیت کی بنیاد کو بھی بدل لیں۔ اپنے اپنے وطن سے محبت رکھنا اور اس کی خدمت کرنا ایک بالکل قدرتی اور جائز فعل ہے۔ مگر مسلم قومیت کی بنیاد دین ہی ہے اور دین ہی رہنا چاہیئے۔ یہ بنیاد مضبوط رہے گی تو یہ سیاسی طور پر علیحدہ علیحدہ ممالک محبت اور اخوت کے رشتے میں بندھ کر ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار رہیں گے۔ اور اس صورت میں دشمنان دین کو ان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا ہو گا۔ لیکن اگر قومیت کی بنیاد دین کی بجائے کوئی اور ایسی بودی شے بن گئی جو مسلمانان عالم میں مشترک نہیں تو آخرت کے ساتھ دنیا بھی خراب ہو گی جیسے کہ ہو رہی ہے۔

جو لوگ واقعی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں اور مسلمان رہنا اور مسلمانی ہی کی حالت میں مرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ہر دم یاد رکھنا چاہیئے کہ سارے عالم اسلام کا خدا ایک ہے، قرآن ایک ہے، نبیؐ ایک ہے۔ اور بہت سی سیاسی حد بندیوں کے باوجود مسلم قوم ایک ہے اور مسلمانوں

Marfat.com

کے ہر علاقے میں ان کی اپنی تاریخ اس زمانے سے شروع ہوتی ہے جب وہاں اسلام داخل ہوا تھا۔ لہٰذا پاکستان میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا راجہ داہر سے کوئی تعلق نہیں مصر میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا فرعون سے کوئی علاقہ نہیں۔ عرب میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا ابو جہل سے کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ اگر کوئی ایک مسلمان قطب شمالی میں رہ رہا ہو اور کوئی دوسرا مسلمان قطب جنوبی میں بس رہا ہو تو بھی وہ دونوں اسلامی اخوت کے مضبوط رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم (قرآن) پڑھ رہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم (پڑھنے والوں) میں سرخ بھی ہیں اور سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ابو داؤد)

جس حقیقت کو واضح کرنے لیے ایک عام انسان کو کئی صفحے سیاہ کرنے پڑ سکتے ہیں اسے حضورؐ نے اپنے پیارے فصیح و بلیغ انداز میں چند لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن ایک ہے اور اسے پڑھنے والوں میں مختلف اقسام کے لوگ شامل ہیں۔ سرخ رنگ والے بھی اور سفید رنگ والے بھی اور سیاہ رنگ والے بھی۔ یعنی ان سب رنگوں سے تعلق رکھنے والے قرآن پر آکر جمع ہو گئے ہیں۔ قرآن پڑھنے والوں میں گہرے سیاہ رنگ والے حبشی بھی تھے، سفید رنگ والے ایرانی اور رومی وغیرہ بھی اور گندمی رنگ والے عرب بھی اور یہ سب قومیں اسلام قبول کر کے ایک قوم بن گئی تھیں۔ جو ایک خدا کو مان کر، ایک رسولؐ پر ایمان لا کر اور ایک کتاب کو اپنا دستور العمل

Marfat.com

بنا کر ایک ملت کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔ اور رنگوں، علاقوں، زبانوں اور نسلوں کا فرق مٹ گیا تھا۔

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر نے جس کے امیر حضرت سلمان فارسی رضؓ تھے فارس کے قصروں میں سے ایک قصر کا محاصرہ کیا۔ اہل لشکر نے ان سے کہا کہ اے ابوعبداللہ رضؓ کیا ہم ان کے مقابلے میں نہ آجائیں (یعنی جنگ شروع نہ کردیں) حضرت سلمان فارسی رضؓ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، مجھے انہیں دعوتِ اسلام دے لینے دو جیسے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے سنا تھا۔ چنانچہ حضرت سلمان رضؓ اہل فارس کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ میں بھی تمہیں لوگوں میں سے ایک فارسی شخص ہوں تم دیکھتے ہو کہ (میرے مسلمان ہوجانے کے باعث) عرب میری اطاعت کرتے ہیں۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں اور اگر تم اپنے ہی دین پر رہنا چاہو تو ہم اس پر بھی تمہیں چھوڑ دیں گے۔ بشرطیکہ تم مطیع ہوکر اور ذلیل ہوکر ہمیں جزیہ دو۔ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضؓ نے فارسی زبان میں ان سے کہا: اور تم قابل تعریف نہیں ہوگے اور اگر تم نے (ہماری پیش کش کا) انکار کیا تو ہم برابری کے ساتھ تم سے لڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جزیہ دینے والے لوگ نہیں ہیں بلکہ ہم تو تم سے لڑیں گے۔ اس پر اہل لشکر نے (پھر) کہا کہ اے ابوعبداللہ رضؓ کیا ہم ان کے مقابلے میں نہ آجائیں۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضؓ نے تین دن اسی طرح انہیں اسلام کی دعوت دی (جب وہ نہ مانے تو) پھر (اہل لشکر سے) فرمایا کہ (اب) ان کے مقابلے

Marfat.com

میں آجاؤ، لہٰذا ہم اُن کے مقابلے میں آگئے اور ہم نے وہ قصر فتح کر لیا۔
(ترمذی)

اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ واضح کر رہا ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد دین ہے۔ علاقہ یا رنگ یا زبان نہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی تھے مگر وہ اس وقت عربوں کی فوج کے امیر تھے، حالانکہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے عرب ہونے پر از حد نازاں ہوتے تھے۔ مگر اب اسلام لانے کے بعد وہ بخوشی ایک ایرانی کے ماتحت لڑنے کو تیار تھے۔ کیونکہ وہ ایرانی ان کا مسلمان بھائی تھا۔ اور پہلے مسلمان تھا اور بعد میں ایرانی۔ پھر حضرت سلمان فارسیؓ کا اپنے ہم وطنوں کو مخاطب کر کے بار بار "ہم" اور "ہمیں" اور "ہمارے" کہنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عربی بولنے والے گندمی رنگ کے عربوں کا ہم قوم سمجھ رہے تھے۔ اور اپنے ہم رنگ اور ہم زبان ایرانیوں کو ایک دوسری قوم سمجھ کر مخاطب کر رہے تھے۔ وہ خود ان سے فرما رہے تھے کہ "میں تمہیں لوگوں میں سے ایک فارسی شخص ہوں" لیکن ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا رہے تھے کہ "اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے۔ جو ہمارے ہیں"۔ یہ لفظ "ہمارے" واضح کر رہا ہے کہ فارسیوں ہی میں سے ایک فارسی شخص ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو فارسیوں کا نہیں بلکہ اس قوم کا حصہ سمجھتے تھے جو اگرچہ رنگ زبان اور علاقے کے لحاظ سے ان سے مختلف تھے مگر ان کے ہم مذہب تھے۔ واضح رہے کہ ایران کو فارس کہا جاتا تھا۔ اور اسی لیے حضرت سلمانؓ کے نام کے ساتھ فارسی لگا ہوا تھا یعنی ایرانی۔

حضرت عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو سنا آپؐ پوشیدگی سے نہیں بلکہ باواز بلند فرما رہے تھے کہ آگاہ رہو کہ ابو۔۔۔۔کی اولاد یعنی فلاں کی میرے عزیز نہیں ہیں، میرا مالک اللہ ہے اور میرے عزیز نیک مومن ہیں۔ (مسلم)

اس حدیث کی تشریح میں بتایا جاتا ہے کہ "یعنی فلاں کی" اس حدیث سے کسی راوی کے الفاظ ہیں جس نے بعض وجوہ کے باعث اس شخص کا نام نہیں لیا جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اس کی اولاد میرے عزیز نہیں۔ حدیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ نے اُن لوگوں کو اپنے عزیز قرار نہیں دیا جو ایمان والے اور نیک نہیں تھے چاہے وہ نسب میں قریب ہی کیوں نہ تھے اور ان لوگوں کو اپنے عزیز قرار دیا جو ایمان والے اور نیک تھے چاہے نسب میں قریب نہ تھے۔ یعنی مومن کے عزیز دراصل وہ ہیں جو مومن اور نیک ہیں۔

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ (بخاری)

مسلمان اور کافر کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ ان کے درمیان جو نسب کا رشتہ ہے اُسے بھی اب اتنی اہمیت حاصل نہیں رہی جو اس صورت میں ہوتی ہے جب وارث اور مورث دونوں مسلمان ہوں۔ وہ اب دو علیحدہ علیحدہ قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا نہ وہ ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں نہ مورث۔ غرضکہ اسلام میں قومیت کی بنیاد رنگ نسل، علاقے اور زبان پر نہیں بلکہ دینِ اسلام پر ہے۔ دہ سبب

Marfat.com

لوگ جو اسلام کے اصولوں کو مان لیتے ہیں مسلمان ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے اُن کی زبانیں، علاقے، نسلیں اور رنگ ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ اور جو اسلام کے اصولوں کو نہیں مانتے وہ دوسرے لوگ ہیں چاہے نسب کے لحاظ سے وہ سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے کے باعث ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں تاہم وہ اسلامی اخوت کے دائرے کے اندر نہیں آتے۔ اسلامی اخوت کے دائرے کے اندر وہی لوگ آتے ہیں جو خدا پر، خدا کے انبیاء پر، خدا کے فرشتوں پر، خدا کی بھیجی ہوئی الہامی کتب پر اور آخرت پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ اور خدا کی عائد کردہ عبادات کو فرض سمجھتے ہیں۔ اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آخری نبی اور اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔

اسلامی اخوت کے دائرے کے اندر کے لوگوں کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ آپس میں صلح و اتفاق قائم رکھیں، خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اور یاد رکھیں کہ حسب و نسب، عہدہ و جاہ اور دولت و ثروت کی بنا پر نہ ان میں کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا ہے۔ اگر کوئی بڑا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیز گاری زیادہ ہو اور اگر کوئی چھوٹا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیزگاری کم ہو۔ مسلمانوں کو بے اتفاقی سے بچانے اور اتفاق و محبت کی طرف مائل کرنے کے لیے حضورؐ نے انہیں اتفاق و محبت کی تلقین فرمانے کے علاوہ اس کی فضیلت کے بارے میں بھی نہایت مؤثر الفاظ میں خوش خبری سنائی ہے جیسے کہ آئندہ صفحات میں واضح کر دیا گیا ہے۔

۱۲۵۲۲۹

Marfat.com

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات۔۱۰)

(مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں)

اور ان کے ایک دوسرے کے بھائی ہونے کا قدرتی تقاضا یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے قلبی محبت رکھیں، ایک دوسرے کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح و اتفاق سے رہیں قرآن و حدیث کے ذیل کے فرامین واضح کئے دیتے ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کی باہمی اخوّت و محبت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور اسے بہت زیادہ بابرکت اور باعث فضیلت قرار دیا ہے:

سورۃ الفتح آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ۔۔۔

Marfat.com

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں
وہ کفّار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
کفّار پر سخت ہونے کی تشریح یوں کی گئی ہے :

"اصل الفاظ ہیں اَشِدَّآ ءُ عَلَی الْکُفَّارِ ۔ عربی زبان میں کہتے ہیں فُلَانٌ شَدِیْدٌ عَلَیْہِ یعنی فلاں شخص اس پر شدید ہے مراد یہ ہے کہ اس کو رام کرنا اور اپنے مطلب پر لانا اس کے لئے مشکل ہے کفار پر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تُند خوئی سے پیش آتے ہیں ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان کی پختگی ، اصول کی مضبوطی ، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفّار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں ۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ لیں ۔ وہ نرم چارہ نہیں ہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں ۔ انہیں کسی خوف کے ساتھ دبایا نہیں جا سکتا ، انہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جا سکتا ۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ انہیں اس مقصد عظیم سے ہٹا دیں جس کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے اٹھے ہیں ۔" (تفہیم القرآن)

پھر مسلمانوں کے آپس میں رحیم ہونے کا مطلب اس طرح واضح کیا گیا ہے ۔

"یعنی اُن کی سختی جو کچھ بھی ہے دشمنانِ دین کے لیے ہے ، اہل ایمان کے لیے نہیں ہے ۔ اہل ایمان کے مقابلے میں وہ نرم ہیں ، رحیم و شفیق ہیں ، ہمدرد و غمگسار ہیں ۔ اصول اور مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لئے محبت اور

Marfat.com

ہم رنگی و سازگاری پیدا کر دی ہے۔" (تفہیم القرآن)

مسلمانوں کے آپس میں بھائی بھائی بنے رہنے کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ اہل جنت کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے کہ

اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (الحجر ۴۷)

"وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے"

سورۃ التوبہ آیت ۷۱ میں سچے مومنوں کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

"مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔"

ایسے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کی باہمی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی پر تاکیدی زور دیا ہے۔

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سب) مومن ایک شخص کی مانند ہیں کہ اگر اس کا سر دکھتا ہے تو (باقی) سب اعضائے بدن بھی بخار اور جاگتے رہنے میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ (مسلم)

یعنی مومنوں کو ایک دوسرے سے ایسی محبت اور ہمدردی ہونی چاہیئے جیسے ایک جسم کے مختلف اعضاء کے درمیان ہوتی ہے کہ جب کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ اور جاگتا رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ سر کو درد ہو تو آنکھ کہے کہ مجھے کیا، میں تو سوتی ہوں بلکہ وہ سر کے درد کو اسی طرح محسوس کرتی ہے جیسے خود اپنے درد کو۔ یہی حال مسلمانوں کا ہونا چاہیئے کہ عالم اسلام میں کہیں اگر کسی مسلمان کو کوئی دکھ پہنچے تو سارا عالم اسلام اسے اپنا ذاتی دکھ سمجھے اور

Marfat.com

اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابو بَرزہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ مجھے کوئی ایسی شے سکھایئے جس سے میں فائدہ حاصل کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ایک طرف کر دیا کرو۔ (مسلم)

فائدہ حاصل کروں سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے لیے اجر و ثواب کا باعث بنے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ اصل فائدہ خدا کی خوشنودی اور آخرت کے اجر و ثواب ہی کو سمجھتے تھے۔ راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ایک طرف کر دینے سے کوئی ایسی شے بھی مراد ہو سکتی ہے جو راستے میں پڑی ہو اور راہ چلنے والوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتی ہو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کی راہ میں کوئی دقّت ہو اور دوسرا مسلمان اس دقّت کو رفع کر دے۔ ہر صورت میں اُس نے اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچایا۔ لہٰذا حضورؐ کے فرمان کی رُو سے یہ عمل اُس کے فائدے کا باعث بنے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ، وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ۔

۱۔ جب تو اُسے ملے تو اُسے سلام کر،

۲۔ اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر،

۳۔ اور جب وہ تجھ سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کر (یا جب وہ تجھ سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کر)،

۴۔ اور جب وہ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اسے یَرْحَمُکَ اللہ کہہ (جس کا مطلب

Marfat.com

ہے کہ خدا تم پر رحم فرمائے)

۵۔ اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر،

۶۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ (مسلم)

تاریخ اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت کے بعد جب مکہ مکرمہ کے مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مہاجرین اور مدینہ منورہ کے انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ آپؐ ایک ایک مہاجر کو لیتے اور ایک ایک انصاری کو اور انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیتے اسے مؤاخاۃ کہا جاتا ہے یعنی بھائی چارہ۔

اس مواخاۃ کے نتیجے میں مہاجرینؓ اور انصارؓ کے درمیان اس قسم کی محبت پیدا ہو گئی تھی اور انصارؓ نے ہجرت کر کے آنے والوں کے ساتھ اتنا حسن سلوک کیا تھا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ یہ باہمی محبت اور الفت ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے جس کی پیروی کی جانی چاہیئے۔

انصارؓ کے حسن سلوک کی ایک مثال ذیل کی حدیث میں ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تاکہ انہیں بحرین (کے علاقے) میں جاگیریں دیں۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اگر آپؐ نے ایسا کرنا ہے تو ہمارے قریشی بھائیوں کے لئے بھی اتنی ہی جاگیریں لکھیں مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی جاگیریں نہ تھیں (کہ قریشی مہاجرین کو بھی دی جاتیں) حضورؐ نے فرمایا کہ (اے انصار) عنقریب میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ (قیامت کے دن) مجھ سے ملو۔ (بخاری)

جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے انصار نے اسلام اور مسلمان مہاجرین کی

Marfat.com

بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ لہٰذا حضورؐ ان کے بہت قدردان تھے۔ جب انہیں جائدادیں دی گئیں۔ اور انہوں نے چاہا کہ ان کے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنی ہی جائدادیں دی جائیں تو اس سے اور بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ ان کے دلوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کتنی گہری محبت تھی۔ حضورؐ نے ان کی قدردانی فرماتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد دینوی امور میں دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی تو تم لوگ صبر سے کام لینا یہاں تک کہ قیامت کے دن مجھ سے ملو اور اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری خدمت دین اور مسلمان دوستی کا فیاضانہ اجر عطا فرمائے۔

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ نیکی میں سے کسی شے کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے وہ اتنی ہی ہو کہ تو اپنے (مسلمان) بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملے۔ (مسلم)

کسی کے ساتھ کشادہ پیشانی سے ملنے پر نہ تو کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ انسان کو اس کے لئے کوئی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر جس کے ساتھ اس طرح خوش خلقی سے ملا جائے اس کا دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اب چونکہ خوش خلقی سے پیش آنا نہ مہنگا کام ہے نہ مشکل اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اسے بہت چھوٹی نیکی سمجھ کر سوچے کہ اتنی چھوٹی سی نیکی کیا کرنی۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا کہ نیکی چاہے بظاہر چھوٹی ہی نظر آئے اسے کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ اگر کسی کو اتنی ہی نیکی کرنے کا موقع مل جائے کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے تو یہ بھی کر لے۔

حضرت مقدام بن معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اپنے کسی بھائی سے محبت ہو تو اسے اس بات کی خبر کر دے (کہ مجھے تم سے بھی محبت ہے)

(ترمذی)

محبت کی خبر کر دینے کی تلقین اس لیے فرمائی گئی ہے کہ توقع ہے کہ اس کے باعث دوسرے کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ اکثر اوقات ایسے ہی ہوتا ہے کہ جب ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں ہماری محبت ہے تو ہمارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضورؐ کو یہی پسند تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گہری محبت ہو اس لئے حضورؐ نے اس عمل کی ہدایت فرمائی ہے جو دوسرے کے دل میں بھی لازماً محبت پیدا کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی نماز قائم کرنے پر اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر (بخاری)

زیاد بن علاقہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن (کوفے کے حاکم) حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا انتقال ہوا میں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ کو (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) سنا۔ آپ کھڑے ہوئے۔ پھر خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور (پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ لازم کر لو اپنے آپ پر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے خوف کو اور وقار کو اور سکون کو یہاں تک کہ (نیا) حاکم تمہارے پاس آ جائے۔ اس لیے کہ (نیا) حاکم تمہارے پاس ابھی آیا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ سے) اپنے (مرحوم) حاکم

Marfat.com

کے لئے معافی مانگو کیونکہ وہ خود بھی معاف کر دینے کو پسند کرتے تھے. پھر فرمایا کہ اس کے بعد میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ پس حضور نے مجھ سے شرط کرائی اسلام پر قائم رہنے کی اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کی۔ پس میں نے اس پر آپ کی بیعت کی اور اس مسجد کے رب کی قسم کہ میں تم لوگوں کا خیر خواہ ہوں پھر انہوں نے استغفار پڑھی اور (منبر سے) نیچے اتر آئے۔ (بخاری)

اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ کوفے کے لوگ متلون مزاج تھے۔ اور امیر کے وفات پا جانے پر ان کے شورش پیدا کر دینے کا خدشہ موجود تھا۔ لہٰذا حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے انہیں پرسکون رکھنے کے لئے ان سے خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت جریرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اس بات پر کہ وہ ہر مسلمان کے خیر خواہ رہیں گے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت مغیرہؓ کی خیر خواہی اس طرح کی کہ پبلک سے کہا کہ ان کے لئے بخشش کی دعا کریں۔ اور پھر پبلک کو اپنی بیعت کا حال سنا کر اور قسم کھا کر لوگوں کو بھی یقین دلایا کہ میں تم سب لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔

عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(ترمذی)

یعنی ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے جن جن لوگوں سے اس کا تعلق قائم ہو یا جنہیں وہ جانتا ہو ان میں سے چھوٹوں

Marfat.com

پر شفقت کرے اور بڑوں کی عزت کرے۔

باہمی اتفاق ومحبّت کی برکات :

احادیث پاک میں مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبت کی تاکید کے علاوہ اس کے بشیر بیں اجر و برکات کی نوید بھی سنائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے جن اعمال و افعال کو ثواب قرار دیا ہے وہ انسان کے لیے دینی و دنیوی ہر لحاظ سے فائدہ مند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے پناہ رحیم و شفیق ہونے کے باعث ہی انہیں ضروری قرار دیا ہے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جس قوم کے افراد میں باہمی محبت و اتفاق ہوگا انہیں دکھ اور تکلیف کے وقت ایسے ہمدرد و غم گسار مل جائیں گے جو ان کے غم اور اذیتوں کے احساس کو کم کریں گے۔ اور انہیں ضروری امداد دے کر زندگی کی مہموں میں آسانی بہم پہنچائیں گے۔

پھر باہمی اتفاق و محبّت قوت و طاقت کا سرچشمہ بھی ہوتا ہے آج اگر عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے ممالک کے درمیان اخوت و محبّت کا وہی رشتہ قائم ہو جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے تو دشمنانِ اسلام کو کسی ایک مسلمان ملک پر بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے ہزار مرتبہ سوچنا پڑے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہو کہ کسی ایک مسلم ملک کے ساتھ زیادتی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سارے عالم اسلام کو مخالف بنا لیا جائے اور دشمن کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اور اس کے جنگی قابلیت کتنی ہی اعلیٰ پائے کی کیوں نہ ہو کم و بیش اسی نوے کروڑ متحد اور باہمی اتفاق و محبّت رکھنے والے انسانوں کو مخالف بنا لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ کسی قوم کا باہمی اتفاق اس کے لیے عزت و توقیر کا باعث بھی ہوتا ہے۔ جو ملت باہمی اتفاق، محبت اور خیر خواہی کے رشتے میں بندھی ہو گی اس کا شدید سے شدید دشمن اور بڑے سے بڑا بدخواہ بھی دل ہی دل میں اور بسا اوقات ظاہرا طور پر بھی اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو گا۔

حکیم الامت علامہ اقبال'' کا فرمان ہے۔

سنو تدابیر کی اسے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشم اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
دُرِّ مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثل حروف کشمیر

باہمی اتفاق و محبت کی یہ برکات تو وہ ہیں جو دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہیں، باقی رہیں آخرت کی فضیلتیں اور اجر و ثواب تو اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس باہمی اتفاق و محبت کو ان پر گویا اپنا ایک احسان قرار دیا ہے۔ سورۃ الانفال آیت ۶۲ اور ۶۳ میں ارشاد ہوا ہے۔

"(اے نبیؐ) وہی (اللہ) تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔ اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے۔ مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔"

یہاں اس بھائی چارے اور باہمی الفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

Marfat.com

جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والے اہلِ عرب کے درمیان پیدا کر کے انہیں ایک مضبوط جتھا بنا دیا تھا۔ حالانکہ اس جتھے کے افراد ان مختلف قبیلوں سے نکل نکل کر آئے تھے جن میں صدیوں سے باہمی دشمنیاں چلی آ رہی تھیں مگر یہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے لوگ جب اسلام قبول کر کے ملّتِ اسلامیہ میں داخل ہو گئے تو ان پرانی دشمنوں نے گہری دوستی کی شکل اختیار کر لی خصوصاً مدینے میں رہنے والے دو قبائل اَوس اور خَزرَج کا معاملہ تو زیادہ ہی حیران کن ہے۔ اسلام لانے سے چند سال ہی پہلے ان کے درمیان ایک زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں اَوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو گویا صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر اسلام لانے کے بعد نہ صرف یہ پرانی دشمنیاں ہی خواب و خیال ہو گئیں بلکہ مکّہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو بھی ان لوگوں نے وہ محبت اور امداد دی کہ تاریخ میں انہیں "انصار" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے یعنی "امداد کرنے والے"۔ ان مختلف قبائل اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں کا آپس میں جڑ جانا اللہ تعالیٰ کا ان پر ایک بہت بڑا احسان تھا۔ کیونکہ اس کے باعث وہ ان دکھوں اور اذیتوں سے بچ گئے جو بے اتفاقی اور باہمی دشمنی کی پیداوار ہوتی ہیں، اور ان برکات سے متمتّع ہوئے جو دلوں کے جڑ جانے سے حاصل ہوتی ہیں۔

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری بزرگی اور عظمت کے خیال سے (یعنی میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے) آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے (اور

Marfat.com

ان پر نبی اور شہید (بھی) رشک کریں گے۔ (ترمذی)

یہاں دو چیزیں ذہن نشین کی جانے والی ہیں ایک باہم ایک دوسرے سے محبت کرنا اور دوسرے اس محبت سے مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا واضح رہے کہ یہ دوسری چیز بھی از حد ضروری ہے کیونکہ یہ دوسری چیز پہلی چیز کے لیئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو صرف اس کی ذات کی خاطر چاہتا ہے تو پھر جب وہ محبوب طوطا چشمی کرتا ہے۔ یا کم از کم محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتا تو چاہنے والا سخت دل شکستہ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات یہ محبت نفرت میں یا کم از کم سرد مہری میں بدل جاتی ہے۔ اس کے برعکس جس انسان کو صرف خدا کی خاطر چاہا جائے گا۔ وہ محبت کے جواب میں محبت دے یا نہ دے چاہنے والا اتنا دل شکستہ نہیں ہوگا جتنا پہلی صورت میں ہوگا اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ جو انسان بھی محبت کے جواب میں طوطا چشمی یا سرد مہری کا رویہ اختیار کرے گا چاہنے والے کے دل کو تکلیف ضرور ہوگی۔ تاہم جسے خدا کی خوشنودی کے لیئے چاہا جائے گا اس کی طوطا چشمی یا سرد مہری پر انسان دل کو تسلی دے لے گا کہ ہم نے اس شخص سے جو محبت کی تھی۔ تو وہ تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کی تھی، کوئی اس کی ذات کی خاطر تو نہیں کی تھی۔ لہٰذا خدا تو دیکھ ہی رہا ہے کہ ہم اس کی خوشنودی کی تلاش میں ہیں۔ وہ انشاء اللہ ہمیں اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا۔

اس طرح خدا کی خاطر محبت کرنے والے کی محبت انشاء اللہ بے غرضانہ اور پائیدار ہوگی اور اس محبت کے قائم رہنے کے باعث بے اتفاقی کی راہیں مسدود ہوں گی اور معاشرہ اور افراد معاشرہ وہ فوائد حاصل کریں گے

Marfat.com

جو باہمی محبت قائم رہنے کے باعث حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اہل اسلام کو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوئے اس بنیادی نکتے کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ یہ خدا کی خاطر ہو تاکہ بے پناہ اجر و ثواب کا باعث بھی بنے اور پائیدار بھی ہو۔ ذیل کی حدیث میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

ابوادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک نوجوان پر پڑی جس کے دانت خوب صورت چمکدار تھے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اُن میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی رائے پر انہیں اطمینان ہو جاتا میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ حضرت معاذؓ بن جبلؓ (صحابی) ہیں جب اگلا دن ہوا تو میں سویرے ہی (مسجد میں) جا پہنچا میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے آچکے تھے۔ اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نماز ختم کر لی۔ پھر میں ان کے سامنے سے ان کے پاس آیا اور انہیں سلام کیا۔ اور کہا:

"خدا کی قسم، میں خدا کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں۔"

انہوں نے فرمایا۔ "کیا خدا کی خاطر؟"

میں نے جواب دیا "ہاں، خدا کی خاطر۔"

انہوں نے (پھر) فرمایا کہ "کیا خدا کی خاطر"؟

میں نے (پھر) جواب دیا کہ "ہاں خدا کی خاطر"

انہوں نے (پھر) فرمایا کہ "کیا خدا کی خاطر"

میں نے (پھر) عرض کیا کہ "ہاں خدا کی خاطر"

پھر انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا۔ پھر فرمایا:

Marfat.com

"خوشخبری حاصل کرو۔ بے شک میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

جو لوگ میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں،

اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں،

اور میرے لیے ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں،

اور میرے لیے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں،

ان سے محبت کرنا میرے لیے واجب ہے۔" (موطا)

حضرت صفوان بن عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ میں شام گیا تو حضرت ابوالدرداؓ کے پاس ان کے مکان پر پہنچا۔ میں نے انہیں (گھر پر) نہ پایا مگر حضرت اُم الدرداؓ مل گئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمانے لگیں کہ پھر اللہ سے ہمارے لئے دعائے خیر کرنا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان شخص کی وہ دعا جو اس نے اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے اس کی غیر حاضری میں کی ہو (اللہ تعالیٰ کے ہاں) قبول ہوتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کے پاس ایک موکل فرشتہ ہوتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو موکل فرشتہ کہتا ہے "آمین اور تجھے بھی اسی کی مانند ملے!"

(صفوان بیان کرتے ہیں کہ) پھر میں بازار کی طرف گیا تو مجھے حضرت ابوالدرداؓ ملے تو انہوں نے بھی مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے ہی بتایا۔ (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی

Marfat.com

میں اس کے لیے دعا کرنا بھی نیکی کا کام ہے اور ایسی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کے لئے دعا کرنا، خصوصاً ایسی دعا جس کے مقبول ہونے کی بشارت دی گئی ہو، بہت بڑا احسان ہے جو دعا کرنے والا اس پر کرتا ہے جس کے لئے وہ دعا کرتا ہے مسلمانوں کی باہمی محبت کا یہ بھی ایک تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے دعا کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ایماندار شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ہمراہ ثواب سمجھ کر چلتا ہے اور جب تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے اور دفن سے فراغت حاصل کر لی جائے اس کے ہمراہ رہتا ہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے (ان میں کا) ہر قیراط احد (پہاڑ) کے برابر ہوتا ہے۔ اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھے، پھر قبل اس کے کہ اسے دفن کیا جائے، لوٹ آئے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے۔ (تجرید بخاری)

یعنی مسلمان بھائی کے وفات پا جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھنے اور اسے آخر دم تک رفاقت دینے والے کے لئے بہت زیادہ ثواب ہے۔

جنازہ پڑھنا اور میت کی بخشش کے لیے دعا کرنا اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے اور اس کے دفن ہو جانے اور آنکھوں سے اوجھل ہو جانے تک اس کے ساتھ رہنا گویا اسے آخر دم تک رفاقت دینا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی عزت کو تنگی سے روکا، اللہ تعالیٰ قیامت

Marfat.com

کے دن اس کے منہ سے آگ کو روکے گا۔ (ترمذی)

انسان کے پاس سب سے قیمتی شے اس کا دین ہے اور اس کے بعد اس کی عزت و آبرو۔ جان کا نمبر بھی عزت کے بعد ہی آتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات انسان عزت بچانے کی خاطر جان دے دیتا ہے۔ جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی اس پیاری چیز یعنی عزت کو بچانے کے لئے اس کا مددگار ہو گا اللہ قیامت کے دن اُسے آگ سے محفوظ رکھے گا۔ یہی مضمون ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ آگے آنے والی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت ابوطلحہؓ بن سہیل انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو ذلیل کرے گا (یا اس کی مدد نہیں کرے گا) کسی ایسے مقام پر کہ اس (مسلمان) کی آبرو جاتی رہے اور اس کی عزت گھٹ جائے تو اللہ اُسے ذلیل کرے گا (یا اس کی مدد نہیں کرے گا) ایسے مقام میں جہاں وہ اس کی مدد پسند کرے گا۔ اور جو شخص مدد کرے کسی مسلمان کی کسی ایسے مقام میں جہاں اس کی عزت گھٹتی ہو اور اس کی حرمت جاتی ہو تو اللہ مدد کرے گا اس کی ایسے مقام میں جہاں اسے اس کی مدد پسند ہوگی۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درخت مسلمانوں کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے اسے کاٹ دیا (جس سے مسلمان تکلیف سے بچ گئے) تو وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کسی درخت کی (کانٹے دار) ڈالی کے پاس سے گزرا جو راستے

Marfat.com

میں پڑی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں اسے مسلمانوں (کی راہ) سے ایک جانب کر دوں گا تاکہ انہیں دکھ نہ دے پس (اس نیکی کے باعث) وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (مسلم)

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے اور جو کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوگا اور جس نے کسی مسلمان کا کوئی دکھ دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے دکھوں میں سے اس کا کوئی دکھ دور کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (ترمذی)

حضرت حُصَین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ کے پاس ایک سائل آیا۔ اور آپ سے سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں آپ نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ کیا تو رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں (اس پر) حضرت ابن عباس رضؓ بولے کہ تو نے سوال کیا ہے۔ اور سائل کا بھی حق ہوتا ہے۔ اب ہم پر ضروری ہے کہ ہم تیرے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔ پھر اُسے ایک کپڑا عنایت کیا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان کو کوئی کپڑا پہنایا تو جب تک اس کپڑے کی کوئی دھجی پہننے والے کے جسم پر رہے گی۔ پہنانے والا خدا کی حفاظت میں رہے گا۔ (ترمذی)

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (قبیلۂ) اشعر کے لوگ جب جہاد میں محتاج ہوجاتے ہیں یا مدینے میں ان کے اہل وعیال کا کھانا کم پڑجاتا ہے تو جو کچھ ان (سب) کے پاس ہوتا ہے اُسے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں۔ پھر اُسے ایک برتن سے (ناپ کر) آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ (حضورؐ نے ان لوگوں کے اس فعل کو قابل تعریف سمجھتے ہوئے فرمایا کہ) وہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔ (بخاری)

قبیلۂ اشعر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ تھا۔ حضورؐ نے ان کی باہمی ہمدردی کی تعریف ایسے الفاظ میں فرمائی جو ان کے لئے بڑی عزّت کا باعث تھے۔

باہمی محبّت وخیرخواہی کا ایک قدرتی تقاضا:

باہمی محبت کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کے لئے نیک انجامی کا خواہش مند ہو اور نیک انجامی اچھے اعمال پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لئے انسان جس کے بارے میں یہ خواہش رکھتا ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی معزّز رہے اور آخرت میں بھی دائمی کامیابی حاصل کرے۔ اسے جب کوئی ایسا بُرا کام کرتے دیکھا جائے گا جو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو خراب کرنے والا ہوگا تو قدرتی طور پر یہ تمنا پیدا ہوگی کہ وہ اس بُرے کام کو چھوڑ دے۔ لہٰذا ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ جب اپنے کسی مسلمان بھائی کو کوئی برائی کرتے

Marfat.com

دیکھے تو محبت، ہمدردی، خیر خواہی اور دانائی سے کام لیتے ہوئے مناسب اور مؤثر طریقے سے اُسے روکنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کا آئینہ ہے
پس اگر وہ اس میں کوئی برائی دیکھے تو اُسے اس سے دور کردے۔ (ترمذی)

یعنی کوشش کرے کہ اس کی وہ بُرائی دور ہو جائے۔ آئینے کی تشبیہہ اس لیے بیان کی گئی۔ ہے کہ آئینہ خاموشی سے انسان کو اس کے چہرے کے نقائص بتا دیتا ہے اور ان نقائص کے معلوم ہو جانے کے باعث پھر انسان انہیں دور کرنے کی کوشش کر لیتا ہے۔ ایسے ہی ایک مسلمان اگر اپنے کسی مسلمان بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو چپکے سے بغیر اُسے رسوا کئے عقل مندی سے اسے اس کا احساس دلادے اور کوشش کرے کہ اس کی وہ خرابی دور ہو جائے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرنا چاہیے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کرتا ہوں۔ مگر جب وہ ظالم ہو تو فرمایئے کہ میں کس طرح اس کی مدد کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اسے ظلم کرنے سے روک دے کہ یہی اس کی امداد ہے۔
(بخاری)

ظلم کرنے سے روکنے کا امداد ہونا یوں ہے کہ جو شخص ظلم کر رہا ہے وہ اپنے لیئے دنیوی اور اُخری عذاب سمیٹ رہا ہے۔ اسے ظلم سے روک دینے سے انسان اسے اس عذاب سے بچانے کی کوشش کرتا ہے جو اس

Marfat.com

نے اپنے ظلم کے نتیجے کے طور پر سہنا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑی خیر خواہی اور بہت بڑی امداد ہے۔ البتہ جب کسی کو اللہ کی راہ کی طرف بلانا ہو تو، یا کسی ظلم سے روکنا ہو تو، اللہ تعالیٰ کے ذیل کے فرمان کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

یعنی اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو "حکمت" سے اور "موعظہ حسنہ" سے۔ "حکمت کیا ہے اور "موعظہ حسنہ" کسے کہتے ہیں اسے ذیل کی تشریح سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"حکمت (یعنی دانائی) یہ ہے کہ آپ مخالفت کی ذہنیت کو سمجھیں اس کی غلط فہمی یا گمراہی کے اصل سبب کی تشخیص کریں اور اس کو ایسے طریقے سے تلقین کریں جو زیادہ سے زیادہ اس کے مناسب حال ہو۔ اور موعظہ حسنہ (یعنی عمدہ نصیحت) یہ ہے کہ جس پر آپ تبلیغ کریں اس کے سامنے آپ اپنے آپ کو دشمن اور مخالف کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے بہی خواہ اور درد مند کی حیثیت سے پیش کریں۔ اور ایسے باوقار، بلیغ اور شیریں انداز سے راہ راست کی طرف دعوت دیں جو کم سے کم تلخی پیدا کرنے والا ہو"

(تقاریر مولانا مودودی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

صالحینِ امّت کا عمل :

مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبّت کی اہمیت، تاکید اور فضیلت سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ انسان یہ بھی دیکھے کہ امّت کے صالح لوگوں نے ان ہدایات کو کتنی سنجیدگی سے لیا تھا۔ اور کس طرح ان پر عمل کرتے اور ان کی تلقین فرماتے رہے تھے۔

Marfat.com

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک المناک باب ہے۔ جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حالات اتنے سخت ہو گئے کہ اہل مدینہ عاجز ہو کر رہ گئے تو ہمدردوں اور خیر خواہوں نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ باغیوں کو بزور تلوار زیر کیا جائے مگر آپ نے جنگ کرنے کی اجازت نہ دی کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی تلوار مسلمانوں ہی کے خلاف اٹھے گی۔ اور یہ آپ کو منظور نہ تھا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ انصارؓ دروازے پر اجازت کے منتظر ہیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے اگر اجازت ہو تو میں جاں بازی کے جوہر دکھاؤں مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے باغیوں کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں حضورؐ کی امت کی خوں ریزی کا آغاز ہو۔

غرض کہ آپ نے جان دے دینا منظور کر لیا مگر اس بات کو منظور نہ کیا کہ مسلمان دو گروہ بن کر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں اور ایک دوسرے کا خون بہائیں۔

ایک غزوے میں حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل، حضرت حارث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہؓ نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل پانی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس پر انہوں نے پانی لانے والے سے

Marfat.com

فرمایا کہ پہلے انہیں پلا آؤ۔ حضرت سہیل کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے۔ انہوں نے بھی خود پانی پینے کے بجائے یہی فرمایا کہ "انہیں پلا آؤ" انجام کار نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں شہیدوں میں سے کسی نے بھی پانی پینے کی نوبت نہ آئی اور تینوں نے پیاس ہی کی حالت میں جان دے دی۔

ساتویں صدی ہجری کے مسلمان علماء میں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا نام نامی بڑی شہرت کا مالک ہے آپ اپنے علم، تقویٰ اور حق گوئی میں نادرۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب تاتاری مسلمانوں کے ممالک میں گھستے چلے آرہے تھے۔ اور ابتلا کا زمانہ تھا۔ ایک مسلمان حکمران الملک الاشرف نے اپنے مرض الموت میں شیخ الاسلام کو بلا بھیجا الملک الاشرف کا رخ ان دنوں اپنے ایک قریبی رشتے دار الملک الکامل کے ساتھ جنگ کرنے کی طرف تھا۔ شیخ الاسلام نے عیادت کو افضل عبادت سمجھتے ہوئے الملک الاشرف کے پاس جانا منظور کر لیا۔ وہ شیخ الاسلام کے آنے سے بے انتہا خوش ہوا۔ اور نصیحت کی درخواست کی جس پر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آپ کی فتوحات اور دشمنوں پر غلبے کی دھوم ہے۔ اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ تاتاری اسلامی ممالک میں گھستے چلے آرہے ہیں۔ ان کو اس بات سے شہہ ملی ہے کہ آپ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور مسلمانوں کے حریفوں سے جنگ کرنے کی فرصت نہیں۔ اس وقت آپ کا رخ الملک الکامل سے جنگ کرنے کی طرف ہے۔ اور آپ اُن کے مقابلے کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں۔ الملک الکامل آپ کے بڑے بھائی اور قریبی رشتے دار ہیں۔ میں صرف یہ عرض کروں گا

Marfat.com

کہ آپ اپنا رخ اپنے بھائی کی طرف سے ہٹا کر دشمنانِ اسلام کی طرف پھیر لیں اور اس آخیر وقت میں اپنا رشتہ نہ توڑیں۔ آپ اللہ کے دین کی مدد اور اس کی سربلندی کی نیّت کر لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی تو ہم اللہ سے اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ آپ کفّار پر غلبہ حاصل کریں گے اور آپ کے نامۂ اعمال میں یہ سعادت لکھی جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ اور فیصلہ ہے تو آپ اپنی نیّت کی برکت کے ساتھ دنیا سے جائیں گے۔

شیخ الاسلام کی اس بر وقت اور انتہائی مفید نصیحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ الملک الاشرف نے اسی وقت حکم دیا کہ فوج کا رخ الملک الکامل سے ہٹا کر تاتاریوں کی طرف کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہؒ بن مبارک کو بتایا گیا کہ ایک شخص پر سات سو درہم کا قرضہ ہے۔ قرضدار بے چارہ بہت پریشان تھا حضرت ابن مبارکؒ نے اپنے مینیجر کے نام ایک رقعہ لکھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دے دو۔ جب وہ قرضدار رقعہ لے کر مینیجر کے پاس پہنچا تو اسے بھی بتا دیا کہ مجھ پر سات سو درہم قرض ہے۔ مینیجر نے یہ بات سن کر حضرتؒ ابن مبارک کو پرچہ لکھا کہ اس شخص کو تو سات سو کی ضرورت ہے اور آپ نے بھولے سے سات ہزار لکھ دیا ہے۔ حضرت ابن مبارک نے فوراً لکھ بھیجا کہ اس کو چودہ ہزار درہم دے دو۔ مینیجر نے خیر خواہی کے خیال سے اتنی زیادہ رقم دینے پر اعتراض کیا تو آپؒ نے لکھ بھیجا کہ کیا تمہیں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ قول یاد نہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کسی ایسی بات سے اچانک خوش کر دے جس کی اسے امید نہ ہو تو

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ بتاؤ کیا چودہ ہزار ہیں یہ سودا خسارے کا ہے؟

حضرت کی مراد یہ تھی کہ چونکہ اس آدمی کو امید صرف سات سو کی تھی میں نے سات ہزار اس لئے لکھ دیئے کہ اسے میرے ہاتھوں اچانک مسرت حاصل ہو اور میں اجر کا مستحق ٹھہروں۔ اب دوسری دفعہ جو آپ نے سات کے بجائے چودہ ہزار کر دیا تو وہ بھی اسی لیے کہ سات ہزار کا تو اسے پتہ چل ہی چکا ہے۔ اب چودہ ہزار سنے گا۔ تو اسے پھر دوبارہ اچانک مسرت ہوگی۔

الاخوان المسلمون کے بانی حضرت حسن البنا شہیدؒ اپنے پیروؤں کو اخوت کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اخوت سے میری مراد یہ ہے کہ دل اور روح عقیدے کی رسی کے ذریعے بندھے ہوئے ہوں۔ عقیدہ ہی سب سے زیادہ پختہ اور قیمتی تعلق ہے۔ بھائی چارہ ایمان کا بھائی ہے۔ اور تفرقہ بازی کفر کا۔ سب سے پہلی قوت اتحاد ہے اور اتحاد محبت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔ محبت کا ادنیٰ درجہ دوسرے شخص کے لیے دل کا صاف ہونا اور اعلیٰ درجہ اس کی خاطر قربانی کرنا ہے۔"

نیز آپ فرماتے ہیں:

"ہر اخوانی کو چاہیئے کہ دوسرے بھائیوں کو اپنے آپ پر ترجیح دے۔ کیونکہ اگر وہ ان کے بارے میں ایسا رویہ اختیار نہیں کرتا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیسے کرے گا جب کہ وہ لوگ غیر بھی ہوں۔ یاد رکھیئے بھیڑ باریوڑ سے الگ ہو

Marfat.com

جانے والی بکری کو کھا جاتا ہے۔ مومنوں کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے باہم پیوستہ دیواروں کی سی ہے جو ایک دوسری کے لئے قوّت کا سبب بنتی ہیں۔"

جناب حسن البنا شہید اپنے پیروؤں پر ۳۸ باتوں کی ادائیگی واجب قرار دیتے تھے۔ جن میں سے ایک حسب ذیل ہے۔

"مسلم ممالک کی مصنوعات و اقتصادیات کی حوصلہ افزائی کر کے اسلامی ثروت کی خدمت کیجئے۔ ایک ایک قرش (وہاں کا ایک سکّہ) کے خرچ کرنے میں بھی احتیاط کو ملحوظ رکھیئے، بے شک حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ تاکہ وہ کسی غیر اسلامی قوّت کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ اپنے اسلامی وطن کی مصنوعات کے سوا کسی بھی دوسرے ملک کی مصنوعات میں سے کھانے اور پہننے کی کوئی چیز استعمال نہ کیجئے۔"

اس نصیحت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب انسان اس حقیقت پر غور کرے کہ عالم اسلام کے زر مبادلہ کا کتنا کثیر حصہ ان اشیاء پر ضائع ہو جاتا ہے۔ جن کے بغیر زندگی میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ عیاشی اور فضول خرچی ہی رواج پاتی ہے۔ جس وقت ملکی ضروریات پوری کرنی مشکل ہو رہی ہوتی ہیں اور عوام پر کمر توڑ مالی بوجھ ڈالا جا رہا ہوتا ہے۔ اربوں روپے غیر ممالک بلکہ دشمن اسلام ممالک سے ان چیزوں کو خریدنے پر صرف کر دیئے جاتے ہیں جنہیں سامان تعیش کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ذرائع رسل و رسائل کی آسانی کے باعث اب بہت سے لوگ اپنے

Marfat.com

اپنے آبائی وطنوں سے نکل کر دوسرے ممالک میں روزی کمانے چلے جاتے ہیں۔ اسلامی اخوت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمان جب کسی مسلمان ملک میں جا کر روزی کمائیں تو حتی الامکان پوری پوری خیر خواہی سے اس ملک کی خدمت کریں۔ وہاں کے باشندوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ چاہیں اور انہیں غیروں کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کی پوری کوشش کرتے رہیں۔

علامہ اصبہانی نے مشہور تالیف ترغیب وترہیب میں حضرت علیؓ کی روایت سے مسلمانوں کے باہمی حقوق کے سلسلے میں مندرجہ ذیل حقوق نقل کئے ہیں۔

۱۔ (مسلمان اپنے) مسلمان بھائی کی لغزش کو معاف کرے۔
۲۔ اس کے رونے پر رحم کرے۔
۳۔ اس کے عیب کو ڈھانپے،
۴۔ اس کے عذر کو قبول کرے۔
۵۔ اس کی تکلیف کو دور کرے،
۶۔ ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتا رہے۔
۷۔ اس کی حفاظت کرے اور اس سے محبت رکھے۔
۸۔ اس کے ذمے کی رعایت کرے۔
۹۔ وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔
۱۰۔ وہ مر جائے تو جنازے پر حاضر ہو۔
۱۱۔ اس کی دعوت قبول کرے۔
۱۲۔ اس کا ہدیہ قبول کرے۔

Marfat.com

۱۳۔ اس کے احسان کا بدلہ دے۔
۱۴۔ اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔
۱۵۔ موقع پر اس کی امداد کرے۔
۱۶۔ اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔
۱۷۔ اس کی حاجت روائی کرے۔
۱۸۔ اس کی درخواست کو سُنے۔
۱۹۔ اس کی سفارش قبول کرے۔
۲۰۔ اس کی مراد سے اسے ناامید نہ کرے۔
۲۱۔ وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰه کہے۔
۲۲۔ اس کی گمشدہ چیز کو اس کے پاس پہنچا دے۔
۲۳۔ اس کے سلام کا جواب دے۔
۲۴۔ نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ اس سے گفتگو کرے۔
۲۵۔ اس کے ساتھ احسان کرے۔
۲۶۔ اگر وہ اس کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کر دے۔
۲۷۔ اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو تو اس کی مدد کرے، اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو تو روک دے۔
۲۸۔ اس کے ساتھ محبت کرے۔ دشمنی نہ کرے۔
۲۹۔ اس کو رسوا نہ کرے۔
۳۰۔ جو بات اپنے لیے پسند کرے، اس کے لئے بھی کرے،

مسلمانوں کے یہ باہمی حقوق خصوصاً سب سے آخر میں بیان کیا جانے والا

Marfat.com

فرمان ایسا ہے کہ اگر اس پر عمل ہو تو بہت سی اذیتیں اور مصیبتیں ختم ہو جائیں وہ کون سی اچھائی ہے جو انسان اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی اسی طرح ہر اچھائی کو پسند کرنے لگے تو حسد بغض، کینا اور بہت سی دل کی بیماریاں اور ان سے پیدا ہونے والی پریشانیاں اور اذیتیں نہ ہونے کے برابر رہ جائیں۔

Marfat.com

باہمی بے اتفاقی اور ایذا رسانی کی ممانعت

ملت اسلامیہ کے باہمی تعلقات کی خرابی جس پیمانے کی بھی ہو سخت قابل اعتراض اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والی چیز ہے۔ گھر کے اندر دو بھائی آپس میں لڑتے ہوں یا عالم اسلام کے دو مسلمان ملک باہم جنگ و جدال میں مصروف ہوں ہر دو صورتیں خدا کو طیش دلانے والی ہیں۔ لہٰذا ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ ہر کلمہ گو سے تعلقات درست رکھنے کی کوشش کرتا رہے چاہے وہ رشتے دار ہو یا ہمسایہ یا ہم شہر یا ہم ملک یا محض مسلمان بھائی۔ ایسے ہی ہر مسلمان ملک کا فرض ہے کہ عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے تمام ممالک کا خیر خواہ ہو۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر انہیں ہر ممکن امداد بہم پہنچانے کی کوشش کرتے۔ بعض لوگ بلکہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی مسلمان

Marfat.com

ملک کو کوئی تکلیف پہنچے تو غم سے چور ہو جائیں گے۔ مگر اپنے مسلمان رشتے دار یا مسلمان ہمسائے یا مسلمان دوست سے لڑتے اور اس پر زیادتی کرتے ہوئے کبھی محسوس بھی نہیں کریں گے کہ وہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں حالانکہ جو شخص زیادہ قریب ہو اس کا زیادہ ہی حق ہوتا ہے۔ دوسری طرف ایسے مسلمان بھی موجود ہیں، اگرچہ تھوڑے ہیں، جو اپنے قریبی ماحول سے آگے کا کبھی خیال بھی نہیں کرتے۔ کسی مسلمان ملک پر کوئی قیامت کیوں نہ ٹوٹ رہی ہو وہ معمولی سا اثر لے کر اس کو اس طرح بھول جاتے ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دنیا کے کسی دوسرے کونے میں کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کی اطلاع پا کر یہاں بیٹھے ہوئے آپ کے دل کو تکلیف نہ ہو تو آپ کا ایمان کمزور ہے۔

لہٰذا حضورؐ کی جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں ان میں مسلمان افراد کے صلح و اتفاق سے رہنے اور بے اتفاقی سے بچنے کی تاکید بھی ہے اور ملتِ اسلامیہ کے درمیان بہ حیثیت مجموعی صلح و اتفاق پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اور ملت اسلامیہ میں پھوٹ ڈالنے والوں کو شدید وعید بھی سنائی گئی ہے۔ ایسے ہی خود دوسروں سے صلح و اتفاق سے رہنے کی ہدایت بھی فرمائی گئی ہے۔ اور دوسرے مسلمان افراد، جماعتوں یا ممالک میں بے اتفاقی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرا دینے کی ضرورت کا بھی پُر زور انداز میں احساس دلایا گیا ہے۔

بے اتفاقی کے نقصانات:

سورۃ الانفال آیت ۴۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

Marfat.com

"اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

یہاں باہم اتفاق نہ رکھنے اور آپس میں جھگڑنے کے دو نقصان دہ نتائج بیان فرمائے گئے ہیں۔

۱۔ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور

۲۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ان فرامین کی صداقت پر گواہ ہے ملت اسلامیہ پر بڑے بڑے ہولناک وقت آئے اور اس نے بڑے بڑے جان لیوا دکھ سہے۔ اس لئے نہیں کہ دشمن طاقت ور تھے بلکہ اس لیے کہ ہم نے اپنی باہمی بے اتفاقی کے باعث اپنے آپ کو کمزور کر لیا تھا اور دشمنوں کے دلوں سے ہمارا رعب نکل گیا تھا۔ یعنی ہماری ہوا اکھڑ گئی تھی۔

جب کوئی قوم بے اتفاقی کے باعث کمزور ہو جائے اور دشمنوں کے دلوں سے اس کا رعب ختم ہو جائے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دشمن اس پر حملہ آور ہو کر اُسے غلام بنا لیں تو اس کا اصل سبب دشمن کی طاقت نہیں ہوتی بلکہ وہ بے اتفاقی ہوتی ہے جس نے اس مغلوب قوم کو کمزور کیا ہوتا ہے۔ جس قوم کے افراد اور جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے میں حلم سے کام لینے کو تیار نہ ہوں وہ انجام کار غیروں کے ظلم کا نشانہ بن کر رہے گی۔ جو ملت خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف بہادری کے جوہر دکھانا شروع کر دے وہ آخر کار اغیار کے مقابلے میں

Marfat.com

شکست کھائے گی۔ جن نادانوں نے اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کی جانیں فناہ کرنے کو "شجاعت" کا نام دے رکھا ہو۔ ان کی اس "شجاعت" کا مآل اس کے سوا کچھ نہ ہو گا کہ آخر بزدلی کا شکار ہو کر دشمنوں کی غلامی کا جوا گلے میں ڈالیں۔ غرضکہ جو لوگ اپنے اندرونی اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے اپنوں کے آگے جھکنے کو عار سمجھیں گے۔ انہیں ایک نہ ایک دن دشمنوں کے آگے جھکنا پڑے گا۔

بے اتفاقی کی سب سے بڑی لعنت غیروں کی غلامی ہے اور یہ غلامی پھر مزید خرابیوں کو جنم دیتی چلی جاتی ہے جب علاقے کی خوشحالی اور وسائل اغیار لوٹتے چلے جائیں اور وہاں کے باشندے ذلت، محرومی، مجبوری اور مقہوری کا شکار ہو جائیں تو پھر ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ عزت نفس کا احساس مٹ جاتا ہے۔ عزم، استقلال، شجاعت، اعلیٰ ظرفی، غیرت، خودداری اور سیرچشمی جیسی صفات ساتھ چھوڑ جاتی ہیں اور بزدلی بے یقینی، پست فطرتی، بے غیرتی، کم ہمتی، حرص و لالچ، احساس کمتری جیسی خرابیاں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ جو غلامی، محرومی اور مجبوری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔ حد یہ کہ غلامی انسان کو گھٹیا پن کے اس درجے پر لا گراتی ہے کہ وہ اپنے دین کے دشمنوں اور برا چاہنے والوں ہی کو نمونہ بنا لیتا ہے۔ اور ان کی مداحی اور چاپلوسی کرنے کو ذریعۂ عزت سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو درجے میں روزوں اور نماز اور تقے سے افضل ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ

Marfat.com

(ضرور بتایئے) آپؐ نے فرمایا کہ آپس میں صلح کرا دینا (نیز فرمایا کہ) آپس کی لڑائی اور بے اتفاقی مونڈنے والی ہے۔ (ابوداؤد)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز اور روزے اور زکوٰۃ کا درجہ کوئی ہلکا درجہ ہے۔ ان کا درجہ تو بہت بلند ہے اور یہ تینوں عبادات دین کے بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو کچھ یہاں واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اتفاق بے انتہا ضروری ہے۔ اور اس اتفاق کو قائم رکھنے کے لئے دو مسلمان، افراد یا گروہوں میں باہم صلح کرا دینا بہت ہی بڑی نیکی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز، روزے اور زکوٰۃ کا تو پابند ہوگا مگر ساتھ ہی مسلمانوں کے درمیان پھوٹ بھی ڈالے گا اور ملت اسلامیہ میں بے اتفاقی پیدا کر کے اُسے بہ حیثیت مجموعی کمزور کرنے کا باعث بنے گا۔ تو اس کی نماز، روزے اور زکوٰۃ اسے اس گناہ کی سزا سے بچا نہیں سکیں گے۔ کیونکہ اس نے ایک طرف تو خدا کے آگے سر جھکایا اور دوسری طرف خدا کے دین کو نقصان پہنچانے والا کام کیا۔ حدیث کے آخر میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "آپس کی لڑائی اور بے اتفاقی مونڈنے والی ہے" تو اس کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ باہمی بے اتفاقی نیکیوں کو جڑ سے ختم کر دیتی ہے یا دین کو جڑ سے مٹا دیتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

پھر یہ بھی ہے کہ باہمی بے اتفاقی صرف اغیار ہی کے مظالم کا نشانہ نہیں بناتی بلکہ جب ملت ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے تو پھر یہ ٹکڑے خود ایک دوسرے پر ظلم توڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ خدا نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشرقی حصے اور مغربی حصے دیکھ لیے اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی۔ جہاں تک کی زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی۔ اور مجھے دو خزانے دیئے گئے : سرخ (خزانہ) اور سفید (خزانہ) اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیئے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے۔ اور نہ ان پر کسی ایسے دشمن کو مسلط کرے جو غیر مسلم ہو اور جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے۔ اور میرے رب نے فرمایا کہ اے محمدؐ جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو وہ لوٹایا نہیں جاتا اور میں نے آپ کو آپ کی امت کے لئے یہ (وعدہ) عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا۔ اور ان پر کوئی ایسا غیر مسلم دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے چاہے اطراف زمین کے سب لوگ (ان کے خلاف) جمع ہو جائیں ہاں وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے۔ اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ (مسلم)

جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا اور مسلمانوں کی سلطنت مشرق اور مغرب کی طرف پھیل گئی۔ ایک طرف سے مسلمانوں نے عراق اور ایران فتح کر لیا اور دوسری طرف سے شام، فلسطین، مصر اور اس کے آگے کے علاقے خلافت راشدہ کے دوران ہی اسلامی سلطنت ایشیا سے نکل کر شمالی افریقہ تک پہنچ گئی۔ اور بعد میں بنو امیہ کے عہد میں یہ سلطنت ایشیا، افریقہ، اور یورپ، تینوں براعظموں میں پھیل گئی۔ سرخ خزانے اور سفید خزانے سے بعض علماء کے خیال کے مطابق سونا اور چاندی مراد ہیں کیونکہ

Marfat.com

فتوحات کے باعث پھر اسلامی سلطنت میں دولت بھی بے انتہا آگئی تھی۔
بعض نے لکھا ہے کہ سرخ اور سفید خزانوں سے مراد کسریٰ اور قیصر کے خزانے ہیں۔ جو مسلمانوں کو ملے۔ حدیث میں حضورؐ نے اپنی دو دعاؤں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ نہ آج تک کوئی ایسا قحط پھیلا ہے جو سارے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور نہ کبھی کوئی دشمن اس میں کامیاب ہوا ہے کہ مسلمانوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔ تاہم جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل ہوا ہے مسلمان خود ہی ٹکڑوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہے ہیں جس انداز سے یہ بات بیان کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں آئندہ کی خبر کے ساتھ تنبیہ بھی موجود ہے کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے کو ہلاک کرنا اور قیدی بنانا ان کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اللہ نے تو ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کیا جو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا مگر وہ خود ہی ایک دوسرے کی جڑ کاٹنے کی فکر میں رہے ہیں۔ اور ان کا ایسا کرنا دنیاوی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا باعث ہے۔

سورۃ الانعام آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ وہ (خدا) اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے، یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے"

اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم کو تکلیف پہنچنے کی ایک شکل

Marfat.com

یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ جائے، اور پھر وہ ٹکڑے ایک دوسرے کو دکھ پہنچائیں۔ پھر جب کسی قوم کے مختلف ٹکڑے خود ہی ایک دوسرے کو عذاب کا مزہ چکھوانا شروع کر دیتے ہیں تو انجام کار وہ سب کے سب اغیار کے عذاب کا مزہ چکھ کر رہتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ بے اتفاقی جس جگہ بھی ہو گی اپنے جلو میں بے چینی اضطراب، غم و الم اور خوف و خطر ضرور لائے گی۔ گھر دل کے اندر افرادِ خانہ کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوں تو اس گھر سے چین رخصت ہو جاتا ہے اور ہر وقت کے شکوے، شکایتیں، طعن و تشنیع اور دانتا کل کل ظالم اور مظلوم سبھی کی زندگی اجیرن کئے رہتی ہے۔ رشتے داروں کے درمیان بے اتفاقی ہو تو خاندان کے سبھی گھرانوں میں دل کی جلن بے چینی اور اضطراب پھیل جاتا ہے۔ ملک کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں باہمی مخالفت پیدا ہو جائے تو پورا ملک دل کی بے قراری اور دماغ کے کھچاؤ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اگر مختلف ممالک کے درمیان بے اتفاقی ہو تو ان ممالک کے کروڑوں باشندے احساسِ حفاظت سے محروم ہو کر خوف و خطر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ نے آپس کی لڑائی اور بے اتفاقی کے متعلق یہ جو فرمایا ہے کہ وہ "مونڈنے والی" ہے تو یہ مونڈنے والی صرف خوبیوں یا دین ہی کو مونڈنے والی نہیں ہوتی بلکہ دل کے چین، سکون اور مسرت کو بھی مونڈ کر رکھ دیتی ہے۔

غرضکہ بے اتفاقی کے نقصانات بڑے شدید ہیں۔

اس سے ملت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

اس سے ملت کی ہوا اکھڑ جاتی ہے اور دشمنوں کے دلوں سے

Marfat.com

اس کا رعب نکل جاتا ہے۔

یہ غلامی کی راہیں ہموار کرتی ہے اور ان برائیوں کے لیے دروازے کھولتی ہے۔ جو غلامی کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔

یہ ملّت کے مختلف حصّوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم ڈھائیں۔

اس کے باعث عالمِ اسلام سے تعلق رکھنے والے افراد، جماعتیں، ممالک سب غم و الم اور اضطراب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بے اتفاقی کے ان شدید نقصانات کے باعث اسلام میں اس کی شدید ممانعت آئی ہے۔

بے اتفاقی کی ممانعت :

حضرت عرفجہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ و فساد ہوں گے اور فتنہ و فساد ہوں گے۔ اور جب اس امّت میں اتفاق ہو اور کوئی ان میں پھوٹ ڈالنا چاہے (اور سمجھانے اور تنبیہہ کرنے کے باوجود باز نہ آئے) تو اُسے تلوار سے مارو، وہ جو کوئی بھی ہو۔ (مسلم)

یہاں حضورؐ نے بے اتفاقی پیدا کرنے والوں کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور انہیں گردن زدنی قرار دیا ہے۔ کیونکہ ملّت میں بے اتفاقی پیدا کرنا اسے ذلّت و رسوائی اور انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا کرنا ہے۔ جو بہت ہی بڑا گناہ ہے ملت کے ان مصائب کے مقابلے میں چند فتنہ پردازوں کی زندگی کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

Marfat.com

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت معاذؓ کو (والی بنا کر) یمن کی طرف بھیجا اور (دونوں کو نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ (لوگوں پر) آسانی کرنا اور سختی نہ کرنا۔ اور (انہیں) خوش خبری دینا اور (ڈرا ڈرا کر) متنفر نہ کر دینا اور آپس میں متفق رہنا اور پھوٹ نہ ڈالنا۔ (مسلم)

جو کام کچھ لوگوں نے مل کر کرنا ہو اُسے کرتے ہوئے جب ذمہ دار لوگ آپس میں بے کار اختلاف کرنا اور لڑنا جھگڑنا شروع کر دیں تو وہ کام خراب ہو کر رہتا ہے۔ گھروں کے اندر میاں بیوی نے مل کر گھر چلانا ہوتا ہے۔ اگر کسی گھر میں میاں بیوی میں بے اتفاقی اور لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں تو گھر برباد ہو جائے گا۔ مختلف جماعتیں جن مقاصد کے لیے وجود میں آتی ہیں جماعتوں کے ذمہ دار لوگ باہمی تعاون سے ان مقاصد کے حصول کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ جس جماعت کے ذمہ دار لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے وہ جماعت کمزور ہو جائے گی یا ختم ہی ہو کر رہ جائے گی۔ مملکتوں کا بندوبست وہاں کے اہل اور با اختیار لوگوں نے مل جُل کر کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی مملکت کے یہ با اختیار لوگ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں لگ جائیں تو وہ مملکت زوال کا شکار ہو جائے گی۔ عالم اسلام مسلمان ممالک کے مجموعے کا نام ہے۔ اگر یہ ممالک معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی مذمت کرنے، ایک دوسرے کو برسرِ ناحق قرار دینے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے لگیں گے۔ تو عالم اسلام شدید قسم کے نقصانات اور دشمنان دین کے ظلم و ستم کا لقمہ بن جائے گا۔

حضرت ابو ایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین (دن) سے زیادہ چھوڑے رکھے کہ دونوں ملتے ہیں تو ایک اس طرف منہ کر لیتا ہے اور دوسرا اس طرف منہ کر لیتا ہے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے (اور اس طرح صلح کرنے کا آغاز کرے)۔ (بخاری)

عموماً جھوٹی عزت نفس کا احساس انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر تم نے خود کسی روٹھے ہوئے کو بڑھ کر منایا تو یہ ذلت کی بات ہے۔ حالانکہ دینی نقطۂ نگاہ سے یہ عزت کی بات ہے اور خود پہلے سلام کرنے والا حضورؐ کے فرمان کی رو سے دونوں میں سے بہتر ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے (مسلمان) بھائی کے درمیان عداوت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

(مسلم)

کسی جملے کا دہرایا جانا یہ مطلب رکھتا ہے کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا مقصود ہے اور اس پر زور دینا مطلوب ہے۔ یہ انسان کی بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنی انا کے کہے میں آکر اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ صلح کرنے سے گریز کرے اور پیر اور جمعرات کے دن جب جنت کے دروازے کھولے جائیں اور ہر وہ انسان بخشا جائے جو شرک

Marfat.com

نہ کرنا ہو تو وہ اس بخشش سے محروم رہ جائے۔ اسے کیا معلوم کہ اب آئندہ پیر اور جمعرات اس کی زندگی میں آئیں گے یا نہیں آئیں گے!!

پھر باہمی صلح صفائی قائم رکھنے کے لیے اس بات کا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے کہ اگر انسان سے کوئی زیادتی ہو ہی جائے اور وہ محسوس کرے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو پھر جھوٹی عزت نفس کے چکر میں نہ پڑے بلکہ اپنی زیادتی کی معافی مانگ لے۔ اور جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو اس سے اگر معافی مانگی جائے تو وہ اپنی مظلومیت کے احساس ہی کے پھیر میں نہ پڑا رہے بلکہ فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے معاف کر دے، اور دل صاف کرے۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے جس سے باہمی تعلقات درست رہ سکتے ہیں۔ انسان بہر حال بشر ہے اور چاہے وہ کتنا ہی عالی حوصلہ اور حلیم مزاج کیوں نہ ہو۔ کبھی اس سے زیادتی بھی ہو ہی جاتی ہے ایسی صورت میں دونوں فریقوں کو وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جس میں ان کا اپنا بھی فائدہ ہے اور مسلم معاشرے کا بھی۔ ذیل میں ایک حدیث بیان کی جا رہی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے معافی چاہی۔ مگر حضرت عمرؓ نے غصّے کے باعث معاف نہ کیا۔ تو حضورؐ نے اس پہ اظہار ناراضی فرمایا۔

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو غصّہ دلایا حضرت عمرؓ غصّے کی حالت میں انہیں چھوڑ کر چلے گئے مگر حضرت ابوبکرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے اور ان سے معافی چاہی مگر حضرت عمرؓ اتنے غصّے

Marfat.com

میں آچکے تھے کہ انھوں) نے معاف نہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ (ابھی) دروازے
کے باہر ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے دروازہ بند کر لیا (یعنی حضرت ابوبکرؓ کو
اندر نہ آنے دیا) پھر حضرت ابوبکرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں آئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس وقت حضورؐ کے
پاس ہی تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکرؓ کے متعلق)
فرمایا کہ تمہارے یہ دوست نیکی میں سبقت لے گئے ہیں۔ بعد میں حضرت
عمرؓ (بھی) اپنے اس طرزِ عمل پر نادم ہوئے۔ چنانچہ وہ (بھی) آگئے۔ آکر سلام
کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ
وسلم کو (سارا) قصہ سنایا۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ (یہ قصہ
سن کر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا۔ (غصہ اس بات پر آیا
کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے معافی مانگنے پر انہیں معاف کیوں
نہ کیا) حضرت ابوبکرؓ نے یہ صورت دیکھی تو وہ الزام اپنے سر لینے لگے اور
کہنے لگے کہ خدا کی قسم یا رسول اللہؐ میں ہی زیادہ قصوروار تھا۔ مگر رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کا غصہ دور نہ ہوا۔ اور آپؐ) نے فرمایا کہ کیا تم
لوگ میری خاطر میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے، کیا تم لوگ میری خاطر
میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے۔ (یعنی کیا تم لوگ اس بات کا لحاظ
نہیں کرتے کہ ابوبکرؓ میرے دوست ہیں۔ پھر حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی
فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں نے کہا تھا کہ اے لوگو، میں تم
سب کی طرف خدا کا رسولؐ (بن کر آیا) ہوں، تو تم لوگوں نے کہا کہ آپ
نے جھوٹ بولا، مگر ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ کا نیکی میں سبقت لے جانا یہ تھا کہ انھوں نے پہلے حضر

Marfat.com

عمرؓ سے معافی چاہی۔ مگر حضرت عمرؓ نے جوانہیں معاف نہ کیا تو اس تنے نے حضورؐ کو ناراض کر دیا۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک سے زیادہ فضیلتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ تھی کہ جب حضورؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو بالغ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ پہلے تھے جو حضورؐ پر ایمان لائے اور بلا حیل وحجت ایمان لائے۔ اسی بات کی طرف حضورؐ نے حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے۔ حضورؐ کی مراد یہ ہے کہ جب تم سب لوگوں نے میری تکذیب کی تھی۔ تو اس وقت ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی دوسری فضیلت جو یہاں بیان ہوئی یہی ہے کہ انہوں نے پہلے معافی چاہی اور صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا اور تیسری فضیلت یہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اس واقعے نے حضورؐ کو ناراض کر دیا ہے تو وہ کوشش کرنے لگے کہ قصور اپنے سر لے لیں تاکہ حضورؐ حضرت عمرؓ سے زیادہ ناراض نہ ہوں۔

باہمی ایذا رسانی کی ممانعت :

ایذا رسانی بھی کئی اقسام کی ہوتی ہے، مثلاً کسی کی جان لینی، کسی کی عزّت پر حملہ کرنا، کسی کا مال چھیننا، کسی کو جسمانی تکلیف پہنچانا، کسی کو اس کے حق سے محروم کر دینا، کسی کے خلاف ریشہ دوانیاں کر کے اُسے اس کے مقاصد میں ناکام کروا دینا، زبان چلا کر کسی کے دل کو تکلیف پہنچانی، غرضیکہ اذیت پہنچانے کی ان گنت شکلیں ہیں۔ اور ایک مسلمان سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی شکل میں بھی اپنے مسلمان بھائی کو اذیت نہ پہنچائے۔ ذیل کی احادیث میں اذیت دینے کی مختلف شکلوں کا ذکر کر کے ان کی مذمّت فرمائی گئی ہے اور ان سے

Marfat.com

روکا گیا ہے ؛

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (حجتہ الوداع میں) قربانی کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس دن کا اس کے اپنے نام کو چھوڑ کر کوئی اور نام بتائیں گے (مگر) حضورؐ نے فرمایا کہ کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ قربانی کا دن ہی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس مہینے کے اپنے نام کو چھوڑ کر اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں گے (مگر) آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ ذوالحجہ ہی ہے پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس شہر کے اپنے نام کو چھوڑ کر اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں گے۔ (مگر) حضورؐ نے فرمایا کہ کیا یہ پاک شہر نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ پاک شہر ہی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے (اور یہ حرام ہی رہیں گے) اس دن تک جب تم اپنے رب سے ملو گے (یعنی قیامت تک۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) آگاہ رہو، کیا میں نے (تمہیں خدا

Marfat.com

کا) پیغام پہنچا دیا ؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے خدا تو گواہ رہ (پھر آپؐ نے لوگوں کو تلقین فرمائی کہ) جو حاضر ہے وہ اس بات کو اس شخص تک پہنچا دے جو حاضر نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات وہ شخص جسے بات پہنچائی جاتی ہے۔ اسے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جس نے (وہ بات براہ راست) سنی ہوتی ہے۔ (پھر آپؐ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ) میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری)

ذوالحجہ کا مہینہ، قربانی کا دن اور مکۂ مکرمہ کا شہر اپنی حرمت کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے اسی طرح تمہاری خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں کہ بغیر کسی عذر شرعی کے تم ایک دوسرے کی جان یا مال پر کسی قسم کا حملہ نہیں کر سکتے۔ بخاری، کتاب المناسک میں ایک اور جگہ یہ حدیث بیان ہوئی ہے جس میں خونوں اور مالوں کے ساتھ عزتوں کا بھی ذکر ہے یعنی تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ ایسے ہی بخاری کتاب الفتن میں ایک جگہ یہ حدیث بیان ہوئی ہے اور وہاں خونوں، مالوں اور عزتوں کے علاوہ کھالوں کا بھی ذکر ہے یعنی تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اور تمہاری کھالیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ حدیث کے آخر میں حضورؐ کا جو فرمان نقل ہوا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کو حضورؐ نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، کونسا اسلام افضل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (اس شخص کا اسلام) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ (تجرید بخاری)

انسان جب کسی پر ظلم کرتا ہے اور اُسے کسی قسم کی جسمانی، مالی یا ذہنی اذیت دیتا ہے تو اس کے لیے وہ عموماً اپنے دو اعضا ہی زیادہ استعمال کرتا ہے۔ یعنی ہاتھ اور زبان، لہٰذا کسی کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس کی ہر قسم کی شر اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ ہے۔ لہٰذا حضورؐ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس مسلمان کا اسلام افضل ہے جو دوسرے مسلمانوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچائے۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

(بخاری)

اس فرمان کو سامنے رکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان افراد ایک دوسرے کو گالیاں دینے میں کس قدر بے باک ہیں اور مسلمان اقوام ایک دوسرے کے ساتھ جنگ وجدال کرنے میں کتنی نڈر ہیں۔ جب مسلمان افسر اپنے ماتحتوں کے لیے یا کوئی صاحب خانہ یا گھر کی مالکہ اپنے اہل خانہ یا ملازموں کے لئے یا ایک ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کے لئے یا ایک رشتے دار دوسرے رشتہ دار کے لیے یا ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے لئے گندی اور قابل گرفت زبان استعمال کرتا ہے تو اسے بالکل یاد نہیں ہوتا کہ وہ فسق یعنی خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور جب ایک مسلمان ملک تھوڑی سی زمین کی خاطر یا کسی وسیلۂ رزق پر قبضہ کرنے کی خاطر یا ایسے ہی نسل،

Marfat.com

رنگ، علاقے اور زبان کے تعصب کی خاطر دوسرے مسلمان ملک سے جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اُسے بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، بلکہ ایسی جاہلانہ جنگوں میں ہلاک ہو جانے والوں کو کمال ڈھٹائی سے "شہید" کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(بخاری)

یہ ہتھیار اٹھانا چاہے فرد کا فرد پر ہو یا جماعت کا جماعت پر یا قوم کا قوم پر مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے جس صورت میں بھی عذر شرعی کے بغیر ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھائیں گے۔ اسی وعید کے مستحق ہوں گے جو اس حدیث میں سنائی گئی ہے۔

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک نے اپنے (دوسرے) بھائی پر ہتھیار اٹھایا ہو تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ پھر جب ایک نے اپنے ساتھی کو قتل کر لیا تو دونوں اکٹھے جہنم میں داخل ہوں گے۔
(ابن ماجہ)

یہ اس صورت میں ہے جب دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتے ہوں اور ایک کامیاب ہو گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسرے کا بس چل جاتا تو وہ بھی پہلے کو قتل کر دیتا۔ لہٰذا اپنی بُری نیتوں کے باعث دونوں دوزخ

Marfat.com

کے مستحق ہو جائیں گے۔ قاتل بھی اور مقتول بھی۔ لیکن اگر ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو اور دوسرا صرف اپنے دفاع میں لڑ رہا ہو تو پھر وہ دوسرا مجرم نہیں نہ وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ چاہے اس کے ہاتھوں قتل کرنے کی خواہش رکھنے والا قتل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ (بھی) ہم میں سے نہیں ہے (مسلم)

کسی پر ہتھیار اٹھانے کے لئے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے مگر صد افسوس کہ ایک دوسرے کو دھوکا دینا تو اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کی عمومیت نے زندگی اجیرن کردی ہے تاجر لوگ ملاوٹ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے گاہکوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مصنوعات بنانے والی اور دوائیاں تیار کرنے والی کمپنیاں ناقص اشیاء فراہم کرکے عوام کو دھوکا دیتی اور ان کی زندگی سے کھیلتی ہیں۔ حکمران اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی غلط اور مضر پالیسیوں کو صحیح اور مفید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے رعایا کو دھوکا دیتے ہیں اور رعایا ملکی قوانین کے جائز احکام سے بچ نکلنے کے حیلے تلاش کرکے حکمرانوں کو دھوکا دیتی ہے۔ گھروں میں بسا اوقات شوہر بیویوں کو اور بیویاں شوہروں کو دھوکا دینے سے نہیں چوکتیں اور آقا ملازموں کو اور ملازم آقاؤں کو فریب دینا گناہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ سبھی مسلمان کہلاتے ہیں اور دھوکا دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسے ہتھیار اٹھانے کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اور باہم ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے والوں اور باہم ایک دوسرے کو دھوکا دینے والوں کو ایک ہی وعید سنائی گئی ہے کہ "وہ ہم میں سے نہیں۔"

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اسے (اس بات پر) ابھار دے کہ اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چل جائے (جس سے مسلمان بھائی کو ضرر پہنچ جائے۔ اور) نتیجہ یہ ہو کہ وہ (ہتھیار سے اشارہ کرنے والا) جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔ (بخاری)

یعنی یہاں تک احتیاط سکھائی گئی ہے کہ کسی مسلمان بھائی پر ارادتاً ہتھیار اٹھانا تو درکنار ہتھیار سے اس کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے کہ کہیں شیطان جو حضورؐ کے فرمان کے مطابق انسان کے جسم میں خون کی طرح پھرتا ہے اسے بہکا کر اس سے وہ ہتھیار چلوا نہ دے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کچھ تیر لے کر مسجد سے گزرا۔ تیروں کے پھل باہر نکلے ہوئے تھے۔ تو اسے حکم دیا گیا کہ تیروں کے پھلوں کو پکڑ لے تاکہ وہ کسی مسلمان کو خراش نہ لگا دیں۔ (بخاری)

ان احتیاطوں کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے کہ اگر غیر ارادی طور پر کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچانے کے بارے میں بھی اتنی احتیاط کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے تو پھر جو لوگ ارادتاً اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو دکھ پہنچاتے اور انہیں اذیت پہنچانے کے پروگرام بناتے ہیں وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حضرت واثلہؓ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر۔ ورنہ خدا اس پر رحم فرمائے گا۔ اور تجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ (ترمذی)

Marfat.com

یہ دینی بے حسی کی انتہا ہے کہ جن کے دکھ پر دکھی ہونا متوقع ہو ان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ ایسے اوقات میں انسان یہ بھی بھول جاتا ہے کہ نہ دکھ کو دوام ہے نہ سکھ کو، ہو سکتا ہے کل اللہ تعالیٰ ہمارے ان مصیبت زدہ بہن بھائیوں پر رحم فرما دے اور ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس کے تعلقات کو خراب کرنے سے بچو کیونکہ یہ شے مونڈنے والی ہے (یعنی دین کو یا نیکیوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے)۔ (ترمذی)

بعض لوگ معاشرے میں اپنی دینداری اور نیکی کے لیے مشہور ہو جاتے ہیں مگر ان کے مزاج کی گرمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ ذرا کسی کی بات کی سہار نہیں ہوتی۔ معمولی معمولی باتوں پر مشتعل ہو کر لوگوں سے تعلقات بگاڑ لیتے ہیں اور اپنے اس غصیلے پن اور کرختگی کو "عزتِ نفس" اور "غیرت" کا نام دیتے ہیں۔ یہ جھوٹی عزتِ نفس نہ صرف یہ کہ ان کی دینداری یا نیکیوں کو برباد کرتی ہے بلکہ دین کی بدنامی کا باعث بھی بنتی ہے۔ ایک شخص پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد بھی پڑھتا ہے مگر ساتھ ہی ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ تو وہ دین کے مخالفین کو یہ موقع فراہم کر رہا ہے کہ وہ دین اور دینداروں پر زبان طعن دراز کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچو تم بدگمانی سے کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، اور کسی کی بات پر کان نہ لگاؤ اور ٹوہ میں نہ رہا کرو اور ایک دوسرے کے مقابلے میں حرص نہ کرو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور ایک دوسرے

Marfat.com

سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے

کے مقابلے میں دھوکا دینے کے لئے اشیاء کی قیمتیں بڑھاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی طرف پشت کرو اور نہ ایک دوسرے کی خرید و فروخت پر خرید و فروخت کرو اور اے خدا کے بندو (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل و خوار کرتا ہے (یا نہ اُسے دشمن کے حوالے کرتا ہے) اور نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پرہیزگاری اس جگہ ہے اور آپؐ نے تین دفعہ اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا (اور فرمایا کہ) آدمی کے لئے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا سب کچھ حرام ہے۔ اس کا خون بھی اور اس کا مال بھی اور اس کی عزّت بھی (مسلم)

مراد یہی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچائے اور اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی زیادتی نہ کرے۔ صحیح مسلم (کتاب الجنۃ) میں حضرت عیاض بن حمار سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضورؐ کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم لوگ آپس میں تواضع سے پیش آؤ یہاں تک کہ کوئی کسی کے مقابلے میں فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے اور نہ اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ کرے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح کیا جائے اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ کوئی عورت اپنی کسی بہن کو طلاق دیئے جانے کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے برتن کو لوٹ لے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ اسے وہی ملے گا جو خدا نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔

(مسلم)

اپنی بہن کو طلاق دیئے جانے کا مطالبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت کسی شخص سے مطالبہ کرے کہ وہ اُس کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے اپنی سابقہ بیوی کو طلاق دے دے تاکہ جو کچھ اس سابقہ بیوی کے قبضے میں ہے اسے بھی یہ حاصل کرلے۔ ایسے ہی پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینے کی ممانعت کے سلسلے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے اور وہ عورت راضی ہوجائے تو اب کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس عورت کے پاس پیغام نکاح بھیجے۔ امام شافعیؒ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجا اور وہ راضی ہوگئی اور اس کی طرف مائل ہوگئی تو اب کوئی دوسرا شخص اس کی طرف پیغام نکاح نہ بھیجے۔ ہاں اگر اس عورت کی پہلے شخص سے رضامندی نہ ہو تو اس صورت میں پیغام بھیجنے میں مضائقہ نہیں۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی ایک ہی وقت میں ایک شخص کے نکاح میں نہ ہوں اور ایسے ہی خالہ اور بھانجی بھی ایک ہی وقت میں ایک شخص کے نکاح میں

Marfat.com

نہ ہوں ۔

عبداللہ بن سائب بن یزید نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے سنا انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی ایسے نہ کرے کہ اپنے بھائی کی چیز ہنسی دل لگی میں لے اور پھر اسے سچ مچ رکھ لے ۔ (اس حدیث کے ایک راوی) سلیمان بیان کرتے ہیں کہ (حضورؐ نے یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی چیز نہ لے) نہ ہنسی کے طور پر اور نہ سچ مچ اور جس نے اپنے بھائی کا عصا (بھی) لیا تو اسے (بھی کام نکل جانے کے بعد) واپس کرے ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی (جھوٹی) قسم سے کسی مسلمان کا حق اڑا لیا ۔ اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا اور اس کے لیے دوزخ واجب کر دے گا ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ چاہے وہ حق تھوڑا سا ہی ہو یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا کہ چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو ، چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو ، چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو ۔ آپؐ نے اس بات کو تین دفعہ فرمایا ۔ (موطا)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحابؓ نے ہم سے بیان کیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے ۔ ان میں سے ایک شخص سو گیا تو ان میں سے کوئی (اور) شخص ایک رسی کی طرف گیا جو سوئے ہوئے شخص کے پاس تھی اور وہ رسی لے لی ۔ اس پر وہ (سویا ہوا شخص) ڈر گیا ۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی (دوسرے) مسلمان

Marfat.com

کوڑا لگائے۔ (ابوداؤد)

معاذ بن انس جہنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی منافق کے مقابلے میں کسی مومن کی حمایت کی، میرا خیال ہے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ ایک فرشتے کو بھیجے گا جو قیامت کے دن جہنم کی آگ کے مقابلے میں اس کے گوشت کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کو عیب دار ثابت کرنے کے ارادے سے اس پر تہمت لگائی اللہ اُسے جہنم کے پُل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنے اس تہمت لگانے کے جرم کی سزا پوری کرے۔

(ابوداؤد)

حضرت عُبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تاکہ ہمیں لیلتہ القدر کے متعلق خبر دیں (کہ وہ کونسی رات ہے) تو دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ میں نکلا تھا تاکہ تم لوگوں کو لیلتہ القدر کے متعلق خبر دوں (کہ وہ کون سی رات ہے) مگر فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑنے لگے۔ لہٰذا اس کا علم (میرے حافظے سے) اٹھا لیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی ہو (کہ اب تم اس کی تلاش میں ایک سے زیادہ راتیں عبادت کروگے) اس لیے تم لیلتہ القدر کو (آخری عشرے کی) نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرنا (یعنی رمضان کی انتیسویں اور ستائیسویں اور پچیسویں رات کو) (بخاری)

اس حدیث کی تشریح میں بعض نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا باہم جھگڑنا اتنا ناپسندیدہ فعل ہے کہ حضورؐ لیلتہ القدر کا بتانے نکلے تھے مگر دو مسلمانوں کو باہم جھگڑتے دیکھا تو اس کا علم آپؐ کے حافظے سے اٹھا لیا گیا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے (دشمن کے) حوالے کرتا ہے اور جو کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو خدا اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی عزت یا مال کے معاملے میں اس پر ظلم کیا ہو۔ پھر وہ اس (مظلوم) کے پاس آئے اور اس سے اپنا گناہ معاف کرا لے۔ قبل اس کے کہ وہ (اپنے اس گناہ کے عوض آخرت میں) پکڑا جائے، کیونکہ وہاں (یعنی آخرت میں) نہ دینار ہوں گے نہ درہم۔ اور اگر اس (ظلم کرنے والے) کے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیوں میں سے (اتنی نیکیاں) لے لی جائیں گی (جتنا اس نے ظلم کیا ہوگا) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی۔ تو پھر اُن (مظلوموں) کی برائیوں میں سے (اتنی برائیاں لے کر) اس پر لاد دی جائیں گی۔ (جتنا اس نے ظلم کیا ہوگا) (ترمذی)

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشرقی حصے اور مغربی حصے دیکھ لیے اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی۔ اور مجھے دو خزانے دیئے گئے، سرخ (خزانہ) اور سفید (خزانہ) اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے اور نہ ان پر کسی ایسے دشمن کو مسلط کرے جو غیر مسلم ہو۔ اور جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے۔ اور میرے رب نے فرمایا کہ اے محمدؐ جب میں کوئی

Marfat.com

فیصلہ کر دیتا ہوں تو وہ لوٹا یا نہیں جاتا۔ اور میں نے آپؐ کو آپ کی امت کے لیے یہ (وعدہ) عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا۔ اور ان پر کوئی ایسا غیر مسلم دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے چاہے اطراف زمین کے سب لوگ (ان کے خلاف) جمع ہو جائیں۔ ہاں وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ (مسلم)

جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا اور مسلمانوں کی سلطنت مشرق اور مغرب کی طرف پھیل گئی۔ ایک طرف سے مسلمانوں نے عراق اور ایران ختم کر لیا۔ اور دوسری طرف سے شام، فلسطین، مصر اور اس کے آگے کے علاقے۔ خلافت راشدہ کے دوران ہی اسلامی سلطنت ایشیا سے نکل کر شمالی افریقہ تک پہنچ گئی اور بعد میں بنو امیہ کے عہد میں یہ سلطنت ایشیا، افریقہ اور یورپ، تینوں براعظموں میں پھیل گئی۔ سرخ خزانے اور سفید خزانے سے بعض علماء کے خیال کے مطابق سونا اور چاندی مراد ہیں۔ کیونکہ فتوحات کے باعث پھر اسلامی سلطنت میں دولت بھی بے انتہا آ گئی تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ سرخ اور سفید خزانوں سے مراد کسریٰ اور قیصر کے خزانے ہیں جو مسلمانوں کو ملے۔ حدیث میں حضورؐ نے اپنی دو دعاؤں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ نہ آج تک کوئی ایسا قحط پھیلا ہے جو سارے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور نہ کبھی کوئی دشمن اس میں کامیاب ہوا ہے کہ مسلمانوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے تاہم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل ہوا ہے مسلمان خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہے ہیں جس انداز سے یہ بات بیان ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں آئندہ کی خبر کے ساتھ تنبیہہ بھی موجود ہے کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے کو ہلاک کرنا اور قیدی بنانا ان کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اللہ نے تو اُن پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کیا جو ان کی جڑ کاٹ دیتا مگر خود ہی ایک دوسرے کی جڑ کاٹنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا باعث ہے۔

حضرت اُسامہؓ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ حج کرنے نکلا۔ لوگ حضورؐ کے پاس (حج کے بارے میں مسائل دریافت کرنے) آتے تھے۔ کوئی کہتا یا رسولؐ اللہ میں نے طواف کرنے سے پہلے سعی کر لی (کوئی کہتا) میں نے یہ کام پہلے کر لیا۔ (کوئی کہتا) میں نے یہ کام پیچھے کیا۔ حضورؐ فرماتے جاتے کہ کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، ہاں حرج تو اس کے لیے ہے جس نے ازروئے ظلم کسی مسلمان شخص کی عزّت برباد کی پس یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوا۔ (ابوداؤد)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے فتنے ہوں گے جو تاریک رات کے ایک ٹکڑے کی مانند ہونگے ان میں انسان صبح کے وقت مومن ہوگا تو شام کے وقت کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔ لوگ دنیا کی عزّت کی خاطر اپنے دین کو بیچ دیں گے۔ (ترمذی)

ترمذی ہی میں اس حدیث کے آگے ہی ایک اور حدیث بیان ہوئی ہے جس میں اس کی تشریح بیان ہوئی ہے حدیث حسب ذیل ہے:

حضرت حسن اس (مندرجۂ بالا) حدیث کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انسان صبح کے وقت مومن ہوگا تو شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر (یعنی) صبح اپنے بھائی کے خون اور عزّت اور مال کو حرام سمجھے گا۔ تو شام کو اسے حلال

Marfat.com

سمجھ لے گا۔ اور شام کو اس کے خون اور عزت اور مال کو حرام سمجھے گا تو صبح کو اسے حلال سمجھ لے گا۔

گویا اپنے مسلمان بھائی کے خون اور عزت اور مال کو حلال سمجھ لینا اُسے کفر کا مستحق بنا دے گا۔

مسلمانوں کے خون، مال اور عزّت کے ایک دوسرے پر حرام ہونے کی اتنی تاکید فرمائی گئی ہے کہ بعض صالحین اس معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ابو العالیہ ریاحی تابعی بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے۔ مگر ان کی بہادری مسلمانوں کے مقابلے میں صرف نہیں ہوتی تھی۔ ان کے زمانے میں جنگ صفین ہوئی جس میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ایک دوسرے کے مقابلے میں تھے۔ ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ میں لڑائی میں حصہ لینے کے خیال سے میدان جنگ میں پہنچا اور ایسی عظیم الشان فوجیں دیکھیں جن کے سرے نظر نہ آتے تھے۔ ان میں جب ایک فریق تکبیر و تہلیل کرتا تھا۔ تو دوسرا بھی کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں کس فریق کو مومن سمجھوں اور کس کو کافر اور کس کا ساتھ دوں۔ کسی نے مجھے مجبور تو کیا نہیں۔ یہ سوچنے کے بعد شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں لوٹ آیا۔

یعنی جب انھوں نے دیکھا کہ دونوں طرف مسلمان ہی ہیں تو جنگ میں حصہ ہی نہ لیا۔ کیونکہ جس طرف سے بھی ہو کر لڑتے ان کے ہاتھوں مسلمان ہی ہلاک ہوتے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک عامل کو فرمان بھیجا جس میں لکھا کہ "

"مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ خشک، ان کے مال سے اپنا

Marfat.com

پیٹ خالی اور ان کی عزت سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو ۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم پر کوئی اعتراض نہیں ۔ اعتراض ان لوگوں پر ہے ۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں ۔"

حضرت حسن بصریؒ کا فرمان ہے :

"اسلام یہ ہے کہ تم اپنا قلب خدا کے سپرد کردو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے ۔"

Marfat.com

جاہلی عصبیتیں

مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبت کی اہمیت اور بے اتفاقی کے نقصانات کو سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو اس بے اتفاقی کو جنم دے کر اسلامی اخوت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ان کا کچھ ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہاں انہیں نسبتاً کچھ تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے ان میں سے کچھ تو وہ جاہلی عصبیتیں ہیں جو مسلمانوں نے دوسری قوموں سے اخذ کی ہیں اور کچھ ایسے تعصبات ہیں جو خود اپنے اندر سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ دوسری قوموں سے اخذ کی ہوئی جاہلی عصبیتوں کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے "جاہلی" اور "عصبیتوں" کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔۔۔۔۔

لفظ "جاہلی" جہل سے ہے۔ جہل یعنی جہالت کا مطلب بے علمی بھی ہے اور بے حلمی بھی۔ عرب کے زمانۂ قبل اسلام کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا

Marfat.com

تھا کیونکہ اس وقت عربوں کے پاس علم بھی نہیں تھا۔ اور وہ حلم سے بھی کام نہیں لیتے تھے۔ بلکہ وہ بڑے اکھڑ قسم کے لوگ تھے۔ جو ذرا ذرا سی بات پر طیش میں آجاتے تھے۔ اور لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے تھے

اب لفظ "علم" بذات خود تشریح طلب ہے۔ علم کا مطلب ہے جاننا۔ اب انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ کچھ مختصر سی زندگی اس دنیا میں گزار کر پھر یہاں سے چل دیتا ہے اور قیامت کے بعد پھر جو زندگی اسے ملتی ہے اس کا کوئی دوسرا کنارہ نہیں۔ تمام الہامی مذاہب اس بنیادی حقیقت پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور تمام الہامی کتب نے عقیدۂ آخرت کو اپنے بنیادی عقائد میں شمار کر رکھا ہے۔ اس عقیدے کا لازمی حصہ یہ ہے کہ انسان اس مختصر سی زندگی میں جس قسم کے اعمال کرے گا قیامت کے بعد ملنے والی دائمی زندگی میں ان کی جزا یا سزا سے دوچار ہوگا۔ اس عقیدے کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی زندگی گزارتے ہوئے سب سے زیادہ ضروری جانی جانے والی چیز زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس سے آخرت کی زندگی اچھی ہو جائے۔ یعنی سب سے زیادہ ضروری علم وہ ہے جو زندگی کو صحیح طریقے سے گزارنے کا فن سکھائے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو دین بھیجتے رہے ہیں اور جو نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اس میں اس دنیوی زندگی کو گزارنے کا وہ طریقہ ہی بتایا گیا ہے جو آخرت کی دائمی زندگی کو امن و چین، عزت و اکرام اور راحت و آرام کی زندگی بنا دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ اس دنیوی زندگی میں بھی انتہائی مفید ثابت ہوتا ہے۔

لہٰذا انسان کے لیے مفید ترین اور ناگزیر ترین علم دین کا علم ہے اور جن

Marfat.com

لوگوں کے پاس یہ علم نہیں وہ "جاہل" ہیں چاہے وہ دنیا کے عام علوم سے کتنے ہی زیادہ واقف کیوں نہ ہوں۔ زمانۂ جاہلیّت میں عربوں کی غالب اکثریت کے پاس کسی پیغمبر کی لائی ہوئی تعلیمات نہیں تھیں۔ لہٰذا اس زمانے کو جاہلیّت کا زمانہ صرف اسی لیے نہیں کہتے کہ اس زمانے کے لوگ اکھڑ تھے اور پڑھنے لکھنے اور دنیا کے عام علوم سے ناواقف تھے بلکہ وہ اس لیے بھی زمانہ جاہلیت کہلاتا ہے کہ لوگوں کے پاس سچا دین نہیں تھا جو انہیں بتاتا کہ زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔

ایسے ہی لفظ عصبیّت یا تعصّب یہ ہے کہ اپنے ہی طریقے کو اچھا سمجھا جائے چاہے وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو اور اپنی ہی شے کو فضیلت والا اور قابل حمایت گردانا جائے چاہے وہ کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو۔ یہی نہیں بلکہ جو طریقہ یا جو شے اپنے سے تعلق نہیں رکھتی اس سے بغض رکھا جائے چاہے اس میں کتنی ہی معقولیت اور کتنی ہی اچھائی کیوں نہ ہو۔ تعصب حقیقت پسندی اور عدل وانصاف کی ضد ہے۔ حقیقت پسندی مطالبہ کرتی ہے کہ درست چیز کو درست سمجھو چاہے وہ دوسروں سے تعلق رکھتی ہو۔ اور غلط چیز کو غلط سمجھو چاہے وہ اپنے آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ ایسے ہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ جو برسرحق ہے اسے برسرحق کہا جائے چاہے وہ دشمن ہو اور جو برسرناحق ہے اسے برسرناحق قرار دیا جائے چاہے وہ اپنا ہو۔ اس کے برعکس تعصب کا فیصلہ یہ ہے کہ جس کا ہم سے تعلق ہے وہ ٹھیک ہے اور اسی کی حمایت کرنی ہے چاہے وہ کتنا ہی بُرا اور کتنا ہی برسرناحق کیوں نہ ہو۔

اسلام نے تعصب کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے جیسے کہ ذیل کی

Marfat.com

احادیث سے واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت واثلہؓ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ تعصب کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (تعصب یہ ہے کہ) تو اپنی قوم کی ظلم پر امداد کرے۔ (ابوداؤد)

یعنی معلوم ہو کہ میری قوم زیادتی کر رہی ہے۔ پھر بھی اس کی امداد کی جاتی رہے صرف اس خیال سے کہ یہ میری ہے۔

حضرت جُبیرؓ بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کی طرف بلائے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کے لئے لڑے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب پر مرے۔ (ابوداؤد)

تعصب کی طرف بلانا یہ ہے کہ کسی کو ایسی سرگرمیوں یا جنگ وجدال میں شرکت کرنے پر ابھارا جائے جو حق وانصاف کی خاطر نہیں بلکہ محض کسی تعصب کی خاطر کی جا رہی ہو۔ جو شخص کسی ایسی جنگ میں لڑا وہ تعصب کے لیے لڑا، اور اگر وہ مر گیا تو وہ تعصب پر مر گیا۔ ایسے ہی جو شخص تعصب کرتا رہا اور تعصب کرتے کرتے مر گیا وہ بھی تعصب پر مرا۔ ایسے شخص کا اہل اسلام سے کوئی علاقہ نہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق پر مدد کی اس کی مثال ایسے ہے جیسے اونٹ کنویں میں گر جائے تو اسے اس کی دم پکڑ کر کھینچا جائے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث کی تشریح میں بیان کیا گیا ہے کہ اونٹ ایک بھاری بھرکم جانور ہے، اور اس کی دُم بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اگر اونٹ کنویں میں گر جائے تو اس

Marfat.com

کی چھوٹی سی دم کو پکڑ کر اس کے ذریعے اسے کنویں سے نہیں نکالا جا سکتا ۔ایسے ہی جو شخص اپنی ظالم یا زیادتی کرنے والی یا گنہگار قوم کی مدد کرتا ہے وہ گناہ کے کنوئیں میں گر جاتا ہے یا وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کا بھی وہاں سے نکلنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کنویں میں گرے ہوئے اونٹ کا دم کے ذریعے باہر کھینچا جانا مشکل ہے بعض نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی قوم کو اونچا کرے تاکہ اس کے ذریعے خود بھی اونچا ہو۔ لیکن اگر قوم کی خرابیوں پر اسے ٹوکنے اور درست کرنے کے بجائے اس کی امداد کی جاتی رہے تو قوم ذلت کے کنویں میں گر کر رہتی ہے اور پھر یہ فرد جس نے اسے اونچا کرنے اور اس کے ذریعے خود اونچا ہونے کے لئے اس کی امداد کی تھی خود بھی ذلت کے گڑھے میں گر جاتا ہے اور وہاں سے نہیں نکل سکتا جس طرح اونٹ کنویں میں گر جائے تو دم پکڑ کر اسے نہیں نکالا جا سکتا ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں جہالت کے ساتھ ہی یہ تعصب بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ وہ اپنے آباء واجداد کے طریقوں ہی کو درست کہنا اور اپنے قبیلے ہی کی حمایت کرنا ضروری سمجھتے تھے چاہے وہ طریقے کتنے ہی احمقانہ اور ان کے قبیلوں کا طرز عمل کتنا ہی ظالمانہ کیوں نہ ہوتا۔ سورۂ البقرہ آیت ۱۷۰ میں فرمایا گیا ہے:

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہیں کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟"

Marfat.com

چنانچہ خدا کے دین سے جاہل ہونے کے باعث انسان جو غلط قسم کے تعصبات پال لیتا ہے انہیں "جاہلی عصبتیں" کہا جاتا ہے۔ کہیں یہ عصبیت وطن پرستی اور زبان پرستی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، کہیں نسل کو تعصب کی بنیاد بنا لیا جاتا ہے، کہیں ذاتوں میں سے کسی ذات کو معزز اور کسی ذات کو ذلیل گردان لیا جاتا ہے، کہیں کسی خاص رنگ ہی کو فضیلت والا قرار دے کر دوسرے رنگ والوں کو ہیٹا سمجھ لیا جاتا ہے اور کہیں ایسی ہی کسی اور لودی شے کو گھمنڈ اور تکبر کی بنیاد بنا لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زمانۂ جاہلیت کے عرب بت پرستی جیسی احمقانہ چیز کے تعصب میں اس طرح گرفتار ہو چکے تھے کہ بے شمار کافروں نے اس وقت تک اسلام کی مخالفت جاری رکھی جب تک اسلام کے غالب آ جانے کے باعث انہیں اسلام کے دامن کے سوا اور کہیں پناہ نظر نہ آئی۔

واضح رہے کہ جاہلی عصبیتیں صرف زمانۂ جاہلیت ہی کی خصوصیات نہیں بلکہ موجودہ زمانے میں بڑی بڑی پڑھی لکھی اور ترقی یافتہ قوموں میں بھی یہ عصبیتیں زوروں پر ہیں۔ بزعم خود بڑی مہذب اور شائستہ قوموں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنی اپنی حکومت کی پالیسیوں کو کامیاب بنانے کے لیے دوسرے علاقوں میں ریشہ دوانیوں کے جال اور فتنہ و فساد پھیلانا بالکل جائز سمجھا جاتا ہے چاہے اپنی حکومت کی پالیسیاں کتنی ہی غلط اور ظالمانہ کیوں نہ ہوں۔ کہیں ایک رنگ والے لوگ دوسرے رنگ والے لوگوں کو گھٹیا گردانتے ہوئے ان کی جان مال اور عزت کو وہ حرام کر دینے کو تیار نہیں ہوتے جو وہ اپنے رنگ والوں کی جان مال اور عزت کو دیتے ہیں، حالانکہ اعمال افعال رنگوں پر منحصر نہیں ہوتے۔ کہیں کسی خاص نسل سے تعلق رکھنے پر بے وقوفانہ گھمنڈ کیا جاتا ہے حالانکہ مختلف نسلیں بہت حد تک ایک دوسری کے ساتھ مل جل چکی ہیں۔ کہیں

Marfat.com

اپنی اپنی زبانوں کو ذریعۂ فخر بنا لیا جاتا ہے حالانکہ ہر قوم کی زبان اس کے لئے اظہارِ خیال کا ایک آلہ ہوتی ہے نہ کہ اظہارِ تکبّر کی بنیاد۔ کہیں خوشحال اور غریب، کارخانہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع کے درمیان دشمنی کی آگ بڑھکا کر انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ معاشرے کا فائدہ ان طبقات کی باہمی محبت اور خیر خواہی میں ہے نہ کہ باہمی دشمنی اور خون آشامی میں۔ پھر ایسے علاقے بھی ہیں۔ جہاں انسانوں کو ذاتوں میں بانٹ کر ان کے درمیان مضبوط دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں اور کسی ایک ذات کو عزت کے تخت پر بٹھا کر کسی اور ذات کی زندگی کا فریضہ ہی یہ قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ علم، احترام اور آسائش سے کوسوں دور رہ کر عمر بھر صرف دوسری ذاتوں کی خدمت ہی بجا لاتی رہے۔

عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ عصبیتیں سراسر خلافِ عقل اور خلافِ انصاف چیزیں ہیں۔ غور کیجئے کہ کسی انسان کا کسی خاص ملک میں پیدا ہو جانا یا کسی خاص نسل یا ذات سے متعلق ہوتا، یا کسی خاص زبان بولنے والے والدین کی اولاد ہونا، یا کسی خاص رنگ رکھنے والی قوم کا حصہ بن جانا اس کے اپنے اختیار میں تو نہیں ہوتا۔ لہٰذا انسان کو ان چیزوں کی بنا پر معزز یا ذلیل گردانا جو اس کے بس میں نہیں سراسر جاہلانہ اور غیر عادلانہ فعل ہے۔ اس کے برعکس اسلام انسان کو عقائد و اعمال کی بنا پر ذلیل یا معزز قرار دیتا ہے۔ اور عقائد اور اعمال انسان کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں لفظ "علم" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ زندگی کو خدا کے پسندیدہ انداز سے گزارنے کے طریقے کو جانا جائے۔ اور اس مفہوم کی رُو سے جاہلیت اسلام کی ضد ہے۔ لہٰذا جاہلیتیں بھی دو ہیں!

Marfat.com

پرانی جاہلیت اور نئی جاہلیت یعنی پرانے زمانے میں جو لوگ سچے دین کا علم نہیں رکھتے تھے کتاب و سنّت کی رُو سے ان کی زندگی جاہلیت کی زندگی تھی۔ اور موجودہ زمانے میں بھی جو لوگ سچے دین کو نہیں مانتے ان کی زندگی جاہلیت کی زندگی ہے چاہے عام علوم و فنون میں وہ کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "جاہلی عصبیتیں" اسلامی اخوّت کو نقصان پہنچاتی ہیں تو ہماری مراد وہ سب غیر اسلامی تعصبات ہوتے ہیں جو ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو ضرر پہنچانے والے ہیں چاہے ان کا تعلق زمانۂ قبل اسلام سے ہو جب بے علمی اور بے حلمی کا دور دورہ تھا یا موجودہ زمانے سے ہو جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ترقی، شائستگی اور علوم و فنون کی معراج کو پہنچا ہوا ہے۔

یہ واضح کرنے کے لیے کہ یہ جاہلی عصبیتیں دینِ اسلام، اسلامی اخوّت اور خود مسلمانوں کے لئے کتنی مضر ثابت ہو رہی ہیں ذیل میں انہیں ایک ایک کر کے مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

نسلی اور علاقائی عصبیتیں :

وطن کی محبّت، اگر وہ اسلامی حدود کے اندر ہو، کوئی ایسی چیز نہیں جسے غیر اسلامی کہا جا سکے۔ یہ تو ایک قدرتی چیز ہے کہ انسان جس علاقے میں پیدا ہوا ہو، جس کی آب و ہوا میں اس نے پرورش پائی ہو، جس کی حکومت نے اسے حفاظت دی ہو، جس کے وسائل و ذرائع سے اس نے فائدے اٹھائے ہوں اسے اس علاقے سے محبّت ہو۔ لیکن جب یہ علاقائی محبّت اتنی بڑھ جائے کہ تعصب کی شکل اختیار کر لے اور دین کی محبّت پر بھی غالب آ

Marfat.com

جائے تو پھر یہ لازماً غیر اسلامی ہو جاتی ہے۔ اسلامی قومیت کی بنیاد اسلام کے بنیادی اصولوں پر رکھی گئی ہے اس لیے مسلمان کہلانے والا چاہے وہ کسی وطن سے تعلق رکھتا ہو، کسی نسل سے ہو، کسی ذات کا ہو، کسی رنگ کا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، وہ پہلے مسلمان ہے اور اس کے بعد کچھ اور ہے۔ وہ بے شک اپنے وطن، اپنی نسل، اپنی ذات، اپنے رنگ اور اپنی زبان سے محبت کرے۔ لیکن اس کی محبت کا اوّلین حقدار اس کا دین ہے۔ باقی سب چیزوں کا درجہ اس کے بعد ہوگا۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان نسل، وطن، ذات، رنگ یا زبان کی محبت میں آ کر کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرے جو اسلام اور عالم اسلام کے لئے ضرر رساں ہو تو اس کی حیثیت ایک کھلے ہوئے قومی غدار کی ہوگی کیونکہ اس نے ان بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی جن پر اس کی قومیت کی عمارت کھڑی ہے۔

اہل مغرب نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے جو مختلف حربے اختیار کئے ان میں یہ حربہ بہت کامیاب رہا کہ انہوں نے مختلف علاقوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں علاقائی اور نسلی تعصّب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جنگ عظیم اوّل میں کرنل لارنس نے اپنی ان تھک کوششوں سے عربوں میں عربی قومیت کا احساس پیدا کر کے انہیں ترکوں کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ترکوں کو نقصان پہنچا بلکہ خود عرب علاقے بھی آخر اتحادیوں کے تسلط میں آ گئے اور اب اگر خرابی بسیار کے بعد وہ آزاد ہوئے بھی ہیں تو اتنے اُلجھے ہوئے مسائل جنم لے چکے ہیں کہ ایک مسئلہ سلجھتا نہیں کہ کئی اور مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔

پھر اس نسلی اور لسانی تعصب نے صرف یہی نہیں کیا کہ عربوں کو ترکوں

Marfat.com

سے علیحدہ کیا بلکہ اس نسلی تعصب کی لے بڑھتے بڑھتے علاقائی تعصب کی شکل اختیار کر گئی اور اب یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ عرب عربی قومیت کی بنیاد پر بھی اکٹھے نہیں ہو سکے۔ بلکہ آج بھی وہ مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اپنی مجموعی طاقت ضائع کر رہے ہیں اور اپنے وسائل و ذرائع سے صحیح اور پورا فائدہ اٹھانے سے قاصر ہیں۔ باوجود اس حقیقت کے کہ ان میں نسل اور زبان مشترک ہے علاقائی تعصب انہیں آپس میں جڑنے نہیں دے رہا۔ حالانکہ اگر وہ دین اسلام ہی کو اپنی قومیت کی بنیاد بنائے رکھتے تو آپس میں متحد و متفق رہنے کے علاوہ انہیں غیر عرب مسلم قوموں کی ہمدردی اور محبت بھی حاصل رہتی۔

علاقہ پرستی کا یہ پہلو انتہائی تکلیف دہ ہے کہ عرب سے نکل کر جن جن علاقوں میں مسلمان جاکر آباد ہوئے، اور جو بعد میں اسلامی علاقے کہلائے جانے لگے، وہاں کے رہنے والے مسلمانوں میں سے علاقہ پرستی اختیار کرنے والے لوگوں نے اب اپنا تعلق ان جاہلی تہذیبوں سے جوڑنا شروع کر دیا ہے جو مسلمانوں کے ان علاقوں میں آنے سے پہلے وہاں موجود تھیں۔ مثال کے طور پر مصر حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوا اور اس کے بعد وہ ہمیشہ ایک اسلامی علاقے کی حیثیت سے مشہور رہا۔ مصر ان اہم اسلامی علاقوں میں سے ہے جو عربی زبان اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مراکز کی حیثیت سے مشہور ہوئے مگر اب بیسویں صدی میں جب مغربی نظریۂ وطنیت کے زیر اثر مصریوں میں علاقہ پرستی پھیلنے لگی تو علاقے کی محبت دین کی محبت پر غالب آنے لگی۔ چنانچہ اب مصر میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو اپنا تعلق فرعون اور فرعونی تہذیب سے جوڑنے کی نہ صرف خواہش رکھتے ہیں بلکہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ یہ اسی بنیادی غلطی کا

Marfat.com

نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو سمجھنا شروع کر دیا ہے حالانکہ ان کی قومیت کی بنیاد علاقائی حد بندیاں نہیں بلکہ اسلامی اصول تھے۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ یہی صورت حال بعض دوسرے علاقوں میں بھی نظر آتی ہے شمالی افریقہ میں مسلمان فاتح عُقبہؓ بن نافع کی فتوحات کے دوران ایک غیر مسلم بربری عورت نے ان کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اب شمالی افریقہ کے بعض کوتاہ نظروں نے اُسی علاقائی تعصّب کی بنا رپر، اس عورت کو اپنی تاریخ کی ایک نامور عورت قرار دے لیا ہے۔ حالانکہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شمالی افریقہ کے علاقوں کی وہ تاریخ جس کا تعلق اسلام کے وہاں آنے سے پہلے والے زمانے سے ہے یا وہ شخصیتیں جو مسلمان نہیں تھیں مسلمانوں کی تاریخ سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مگر علاقائی تعصّب جو تنگ نظری اور کوتاہ بینی پیدا کر دیتا ہے وہ اس حقیقت کو دیکھنے نہیں دیتا۔ ایران کے ایک اچھے پڑھے لکھے شخص نے ایک دفعہ ایک پاکستانی سے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے مخالف اس لئے نہیں کہ ہم شیعہ ہیں بلکہ ہم تو انہیں اسے لیے اچھا نہیں سمجھتے کہ انہوں نے ایران پر حملہ کیا تھا اور اُسے فتح کیا تھا۔

ذرا خیال کیجئے کہ یہ جملے کس ذہنیت کی غمازی کر رہے ہیں جس آتش پرست ایران سے حضرت عمرؓ کی فوجوں کی لڑائی ہوئی تھی اس کے ساتھ موجودہ مسلمان ایرانیوں کا آخر تعلق کیا ہے۔ کیا علاقہ پرست لوگ یہ نہیں سوچ سکتے کہ حضرت عمرؓ کی فوجوں کی فتح درحقیقت کفر پر اسلام کی فتح تھی اور یہ فتوحات ایران میں اسلام کی اشاعت کا باعث بنی تھیں، لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ فتوحات ایران کے مسلمانوں کے لئے باعث فخر و مسرت ہونی چاہئیں نہ کہ باعث غم و غصّہ۔ یہ سب اُسی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے کہ قومیت

Marfat.com

کی بنیاد اسلام کے بجائے علاقے کو بنا لیا گیا ورنہ ان صاحب کو معلوم ہوتا کہ ان کا تعلق درحقیقت حضرت عمرؓ سے ہے، قدیم ایران سے نہیں۔ ایران ان کا وطن اس وقت ہی سے ہوا جب مسلمانوں نے اسے فتح کر کے اپنا وطن بنایا۔ اس سے پہلے کا ایران قدیم آتش پرستوں کا ایران تھا، موجودہ مسلمان ایرانیوں کا ایران نہیں تھا۔ علاقوں کی مبالغہ آمیز محبت دین کے لیے بربادی کا پیغام ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ مرحوم نے علاقوں کی مبالغہ آمیز محبت میں مبتلا ہونے والوں کو تنبیہہ فرمائی ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس مرحوم و مغفور کے صاحبزادے مولانا محمد یوسفؒ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:

"اُمت کسی ایک قوم اور ایک علاقے کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جُڑ کر امت بنتی ہے۔ جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقے کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضورؐ کی اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ امت کو ذبح کر کے پہلے خود ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے اگر مسلمان اب پھر مسلمان بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی، ایٹم بم اور راکٹ

Marfat.com

انہیں ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تمہیں نہیں بچا سکیں گی ۔۔۔۔۔۔

(تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ، صفحہ ۱۴۴)

جو کچھ ان صفحات میں بیان ہوا ہے اسے حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے ان چند اشعار میں بیان فرما دیا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

نیز آپ اسلام کے ان جاہلی تعصبات سے پاک ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

(نہ ہم افغان ہیں، نہ ترک ہیں، نہ تاتاری ہیں۔ ہم ایک ہی چمن سے پیدا ہوئے اور ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔ ہم پر یہ بات حرام ٹھہرائی گئی ہے کہ باہم رنگ و بو کی بنا پر متفرق ہوں، کیوں کہ ہم ایک ہیں

Marfat.com

تو بہار کے پالے ہوئے ہیں)

شاخسار اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بہت سی شاخیں ہوں۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اسلام ایک شاخسار ہے اور ہم سب مسلمان قومیں اس شاخسار کی مختلف شاخیں ہیں۔

اب کسی درخت کی شاخیں چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، جس تنے سے یہ پھوٹی ہیں وہ تو ایک ہی ہے اگر اس درخت پر خدانخواستہ کوئی تباہی آئے گی تو وہ صرف کسی ایک شاخ کی تباہی نہیں ہو گی بلکہ انجام کار سبھی شاخیں اس تباہی کا شکار ہوں گی !!

حکیم الامت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خون مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

اور تاکید کرتے ہیں :

غبار آلودۂ رنگ و نسل ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم، اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

جس سے آپ کی مراد یہی ہے کہ ان جاہلی عصبیتوں سے پاک ہوئے بغیر ملت اسلامیہ دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتی !

صوبائی اور لسانی تعصبات :

علاقہ پرستی کی ایک نہایت تنگ نظرانہ اور جاہلانہ شکل صوبہ پرستی

Marfat.com

ہے، کیونکہ جہاں وطن پرستی عالم اسلام کے اتحاد کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے وہاں صوبہ پرستی کسی مسلمان ملک کو اندرونی طور پر بھی متحد نہیں رہنے دیتی۔ جن ملکوں کا رقبہ اور آبادی زیادہ ہو وہاں انتظامی سہولتوں کے لیے علاقے کو مختلف صوبوں میں تقسیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف صوبوں میں اپنی اپنی مقامی بولیاں بھی ہوں جو ایک دوسری سے مختلف ہوں، تاہم وہ سب صوبے ایک ہی ملک کے مختلف حصّے ہوں گے اور وہاں کوئی قومی زبان بھی ہوگی جو ملک کی سب بولیوں میں مرکزی حیثیت رکھتی ہوگی۔ لہٰذا صوبائی تعصب رکھنے والوں کا ملک کے کسی ایک حصّے کے تعصب میں گرفتار ہوکر باقی حصّوں کی مخالفت کرنا اور مقامی بولیوں میں سے کسی ایک بولی کے مقابلے میں باقی بولیوں خصوصاً ملک کی قومی زبان کے معاملے میں سوتیلہ پن اختیار کرنا کھلی کھلی غدّاری ہے۔ اور جو لوگ اس قسم کے تعصبات پھیلاتے ہیں وہ غدار ہونے کے علاوہ کوتاہ بین بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ اتنی سیدھی سی حقیقت کو بھی نہیں دیکھ سکتے کہ صوبوں کی باہمی منافقت ملک کو بہ حیثیت مجموعی کمزور کرے گی۔ اور ملک کی کمزوری انجام کار صوبوں پر بھی بُرا اثر ڈال کر رہے گی۔ ایسے ہی کسی مقامی بولی کے مقابلے میں قومی زبان کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن بندھنوں نے ملک کو باہم باندھ رکھا ہے ان میں سے ایک بندھن کو کمزور کر دیا جائے۔ کیونکہ ملک کے باشندوں کو باہم متحد رکھنے والی اصل طاقت تو دین ہوتا ہے اور دین کے بعد ثانوی حیثیت رکھنے والے بندھنوں میں قومی زبان کو امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک صوبائی تعصب کا تعلق ہے پاکستان کا معاملہ خصوصی طور پر

Marfat.com

پریشان کن ہے، کیونکہ یہاں مختلف صوبوں میں اس قسم کے خود غرض لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنی اپنی لیڈری کی دکان چمکانے کے لیے اور عہدوں اور کرسیوں تک پہنچنے کے لیے لوگوں کے درمیان تعصبات کی آگ بھڑکاتے ہیں اور وطن عزیز کے مختلف حصّوں میں رہنے والوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے شرمناک گناہ وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا کے بندے بننے کے بجائے اپنے اغراض و تعصبات کے بندے بن چکے ہوتے ہیں اور دینی روح سے خالی ہوتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے کہ

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو۔" (الحجرات آیت ۱۰)

مگر یہ لوگ زبانِ حال سے پکارے جاتے ہیں کہ بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرنا تو کجا، ہم تو جن بھائیوں کے تعلقات آپس میں درست ہوں گے۔ ان کے درمیان بھی لڑائی کرا کے رہیں گے۔

خدا کے برگزیدہ رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"جب اس امّت میں اتفاق ہو اور کوئی ان میں پھوٹ ڈالنا چاہے تو اسے تلوار سے مار دو وہ جو کوئی بھی ہو۔" (مسلم)

مگر یہ لوگ زبان حال سے چلائے جاتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس امّت میں پھوٹ ضرور ڈالیں گے چاہے اس سے ہم خود اغیار کی تلواروں کا لقمہ بننے کے خطرے میں کیوں نہ پڑ جائیں۔

جس باہمی اتحاد و اتفاق کی بنا پر یہ ملک وجود میں آیا تھا اُسے یہ دینی روح سے بے بہرہ لوگ پاش پاش کر دینے ہی کو زندگی کا مقصود بنائے

Marfat.com

بیٹھے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ نہ دین کا صحیح علم ہے، نہ اس سے سچی محبّت ہے، نہ تاریخ کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ اسلام ان تنگ نظرانہ تعصبات کو جاہلیت کا نام دیتا ہے۔ حضورؐ نے ایسے پھوٹ ڈالنے والوں کو گردن زدنی قرار دیا ہے اور تاریخ میں خودغرضی کی بنا پر غداری کرنے والے عبرتناک انجام سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ علاقائی تعصّب نے لسانی تعصّب بھی پیدا کر دیا ہے۔ مختلف صوبوں کے لوگ اپنی اپنی مقامی بولیوں کی اہمیت بڑھانے کے لئے بعض اوقات ایسا رویہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے پاکستان کی قومی زبان اردو کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ پاکستان میں اسلام کے بعد جس بندھن نے اہل پاکستان کو آپس میں باندھ رکھا ہے وہ اردو زبان ہے۔ اپنی اپنی مقامی بولیوں کو پسند کرنا یا ان کی ترقی کے لیے کوشش کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں مگر ساتھ ہی دوسرے صوبوں کی بولیوں کی مخالفت کرنا خصوصاً ملک کی قومی زبان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا واضح طور پر ملک کے اتحاد کو نقصان پہنچانا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا ویسے بھی احمقانہ حرکت ہے۔ کیونکہ اردو کسی خاص صوبے کی مقامی بولی نہیں کہ دوسرے صوبوں والوں میں سے متعصّب لوگ اس سے جلیں۔ یہ تو ملک گیر زبان ہے اس کی مخالفت کرنا تو کھلے طور پر خود پاکستان سے دشمنی کا اظہار کرنا ہے۔

اگرچہ یہ بات انتہائی تسکین دہ ہے کہ پاکستان میں وہ لوگ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جو ان تعصبات کے سخت مخالف ہیں اور زبان اور

Marfat.com

تلم دونوں سے ان کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں جتنا کام ہو رہا ہے اس سے بہت زیادہ کام کیا جائے اور لوگوں کو مؤثر انداز میں زیادہ سے زیادہ سمجھایا جائے کہ یہ جاہلی عصبیتیں پاکستان کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہم لوگ ہندوستانی تھے اور صدیوں سے ہندوستانی ہی چلے آ رہے تھے۔ پھر آخر ہمیں کیا خیال آیا کہ ہم نے اپنی صدہا سال پرانی "ہندوستانیت" کو ختم کر کے نسبتاً چھوٹا سا پاکستان بنانے اور اس کے باشندے بننے کا عزم کر لیا؟ بات صرف یہ تھی کہ حالات ہمیں بتا رہے تھے کہ اگر ہم نے ہندوستانی بنے رہنے پر اصرار کیا تو ہمارا دین ختم ہو جائے گا۔ چونکہ ہم پہلے مسلمان اور بعد میں ہندوستانی تھے اس لیے ہم نے بے تکلف اپنی "ہندوستانیت" کا قلع قمع کر دیا تاکہ ہماری "مسلمانی" قائم رہ سکے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ تھا کہ اگر ہم نے اپنی "مسلمانی" کے مقابلے میں اپنی "ہندوستانیت" کو عزیز رکھا تو یہ ایک ایسا گناہ ہوگا جس کی ہمیں قومی پیمانے پر سزا ملے گی۔

لیکن اب جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پاکستان قائم کر دیا ہے، اور ہمیں وہ تمام مواقع حاصل ہو گئے ہیں جن سے ہم اپنی "مسلمانی" کو مستحکم کر سکیں تو اب اگر ہم اپنی "پٹھانیت" یا "بلوچیت" یا "سندھیت" یا "پنجابیت" کو اپنی "مسلمانی" پر ترجیح دیں گے تو کیا یہ بھی ویسا ہی گناہ نہ ہوگا جس کے باعث ہمیں قومی پیمانے پر سزا ملے، کیا "ہندوستانیت" سے اللہ کو کوئی دشمنی تھی کہ اس کے باعث تو وہ ہمیں سزا دیتا اور پٹھانیت، بلوچیت، سندھیت اور پنجابیت سے اس کی کوئی دوستی ہے کہ ان کے باعث وہ ہمیں پیار کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے مقابلے میں جو چیز بھی لائی جائے گی وہ خدا کے

Marfat.com

غضب اور انجام کار بربادی کا باعث بنے گی۔

جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے۔ اس سے وہی پاکستانی تعصب برت سکتا ہے جس کا دل وطن کی محبت سے خالی ہو۔ ملک کی قومی زبان بننے کی جتنی صلاحیت اردو رکھتی ہے کوئی مقامی بولی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ اسلام کے متعلق جتنا لٹریچر اردو میں ہے کسی مقامی بولی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ یہی ایک زبان ہے جو ملک کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ باقی بولیاں صرف مقامی طور پر ہی بولی اور سمجھی جاتی ہیں اپنے اپنے صوبے کے باہر انہیں بولنے اور سمجھنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں صدیوں سے برصغیر کے مسلمان اسے مسلمانوں کی اپنی زبان کی حیثیت دیتے چلے آئے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے غیر مسلموں کی زبانوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی زبان کی حیثیت سے ہم اسی کو پیش کیا کرتے تھے، مقامی بولیوں میں سے کسی کو بھی پیش نہیں کرتے تھے۔ پھر اب جب خدا کے فضل سے ہماری دیرینہ خواہش کے مطابق ہمارا اپنا آزاد ملک قائم ہو گیا ہے اور اردو اس ملک کی قومی زبان بن گئی ہے' اس سے تعصب صرف وہی شخص برت سکتا ہے جو در پردہ اس ملک ہی کا دشمن ہو۔ یا پھر اتنا نادان ہو کہ سمجھ ہی نہ سکتا ہو کہ پاکستان میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لئے دین اسلام کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اردو زبان ہی کو حاصل ہے۔ سورۃ الروم آیت ۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اور اس (خدا) کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے ۔ ۔ ۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی زبانوں اور رنگوں کے باہم مختلف

Marfat.com

ہونے کو اپنی نشانیوں کی حیثیت سے پیش کیا ہے مگر متعصب انسانوں نے اپنی جہالت اور تنگ نظری کے باعث ان نشانیوں کو تعصب پھیلانے کا ذریعہ بنا لیا ہے تاکہ خدا کی مخلوق کو خدا کے دین کے احکام سے دور لے جائیں۔

طبقاتی کش مکش :

بیسویں صدی میں انسانی معاشرے میں ایک اور بہت بڑی پھوٹ جو ڈال دی گئی ہے وہ مالدار اور نادار طبقوں کے درمیان نفرت اور دشمنی کی آگ بڑھکانا ہے۔ جس ملک میں یہ تحریک شروع کی گئی تھی وہاں فی الواقع دولت مندوں نے غریبوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ اور دولت مند حد سے زیادہ مالدار اور نادار حد سے زیادہ نادار ہوتے جا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں ایسے رہنما پیدا ہو گئے جنہوں نے ناداروں کو مالداروں کے خلاف بڑھکایا اور آخر کار نادار طبقہ مالدار طبقے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور ان سے نہ صرف حکومت، دولت اور اختیارات چھین لیے بلکہ جی بھر کر قتل و غارت کا بازار بھی گرم کیا۔ یہ تحریک بظاہر تو غریب کی حمایت میں اٹھی تھی اور امیر غریب کو ایک صف میں لانے کی دعوے دار تھی مگر اس کا گھناؤنا پہلو یہ تھا کہ انہوں نے اس غلط مفروضے کی بنا پر کہ مذہب مالداروں کا ساتھ دیتا ہے دولت مندوں کے ساتھ ہی مذہب کے خلاف بھی نفرت پھیلانی شروع کر دی اور اس تحریک کی بنیاد خدا کے انکار اور لادینی پر رکھی گئی۔

کچھ عرصے کے بعد جب تحریک اپنے علاقے سے نکل کر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگی تو آخر اس نے مسلمانوں کے علاقوں کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا اور اب یہ کئی اسلامی علاقوں میں اپنے اثرات پھیلا رہی ہے۔ ظاہر ہے

Marfat.com

اس سے اسلامی معاشرے میں ایک پھوٹ اور بڑھ گئی ہے کیونکہ ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر بھی مصر ہے اور ساتھ ہی سوشلزم کی حمایت پر بھی اصرار کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے لوگ سوشلزم کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے خلاف اسلام قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں گروہوں کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے اور معاشرے کی بے اتفاقی کے اسباب پر ایک اور سبب کا اضافہ ہو گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں مالدار اور نادار طبقات کے باہمی تعلقات میں کیا نقص تھا جس کے باعث اس تحریک کو اپنا اثر پھیلانے کا موقع ملا۔ جہاں تک اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہے اس بات کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ سوشلزم کو اسلامی معاشرے میں اثر پھیلانے کا موقع ملتا کیونکہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کا پکا بندوبست کیا گیا ہے کہ مالداروں کا مال مسلسل نادار طبقات تک پہنچتا رہے، اور معاشرے میں یہ صورت نہ پیدا ہونے پائے کہ امیر تو امیر سے امیر تر ہوتا چلا جائے اور غریب دن بدن غریب تر ہوتا جائے جیسے کہ روس میں اس وقت حالت تھی جب وہاں یہ تحریک چلائی گئی تھی۔

اسلام نے دولت مندوں کی دولت کے نادار طبقات تک پہنچتے رہنے کا ایک خاص بندوبست جو کیا ہے وہ زکوٰۃ کی فرضیت ہے۔ سونا، چاندی، نقدی، مویشی، زرعی زمین کی پیداوار اور سامان تجارت وہ چیزیں ہیں کہ جب وہ ایک خاص حد تک پہنچ جائیں اور ایک سال گزر جائے تو ان پر زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔ اس حد کو نصاب کہا جاتا ہے اور جس شخص پر ان چیزوں میں سے کسی چیز کے نصاب کی حد تک پہنچ جانے اور اس پر سال گزر جانے کے باعث زکوٰۃ دینا فرض ہو چکا ہو اسے "صاحب نصاب" کہا جاتا

Marfat.com

ہے۔ واضح رہے کہ بڑے دولت مند تو رہے ایک طرف، درمیانے طبقے کے عام لوگوں میں بھی بے شمار ایسے ہوتے ہیں جو صاحب نصاب ہو چکے ہوتے ہیں اور ان پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی پابندی ہے کہ صاحب نصاب لوگ اپنی زکوٰۃ صرف انہیں لوگوں کو دے سکتے ہیں جو خود صاحب نصاب نہ ہوں۔ یعنی ان کے پاس کوئی ایسی شے اس حد تک نہ ہو کہ خود ان پر زکوٰۃ دینا فرض ہو چکا ہو۔ اس طرح اسلام نے اسلامی معاشرے میں نصاب کی لائن کھینچی ہوئی ہے۔ اس لائن کے اوپر والے لوگوں کا فرض ہے کہ اپنے مال کی نوعیت کے لحاظ سے ہر سال اس کا چالیسواں یا بیسواں یا دسواں حصہ اس لائن کے نیچے والے لوگوں کو پہنچاتے رہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ زندگی میں صرف ایک مرتبہ نہیں دی جاتی بلکہ ہر سال دی جاتی ہے۔ جس کے باعث صاحب نصاب لوگوں کے مال میں سے ناداروں اور کم حیثیت لوگوں کو اپنا حصہ مسلسل ملتا رہتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی اتنی ضروری ہے کہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو خدا نے مال دیا اگر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کے لیئے اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس (کی آنکھوں) پر دو کالی چکتیاں ہوں گی۔ اس کو قیامت کے دن اس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا۔ پھر کہے گا "میں ہوں تیرا مال"۔ "میں ہوں تیرا خزانہ"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(بخاری)

زکوٰۃ کو فرض قرار دینے کے علاوہ سود کو حرام کر کے اس بات کا

Marfat.com

بندوبست فرمایا گیا ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہ ہوتا جائے سود وہ لعنت ہے۔ جس کے ذریعے مالدار لوگ ناداروں کے جسموں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیتے ہیں اسلام نے سود کو کتنا ناپسندیدہ سمجھا ہے اور اس کی ممانعت میں کتنے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے ہوجاتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی۔

سُود کھانے والے پر،

سود دینے والے پر،

اور اس کے گواہوں پر،

اور اس کے لکھنے والے پر، (ترمذی)

اس کے علاوہ صاحب حیثیت لوگوں پر واجب کیا گیا ہے کہ عیدالفطر کو فطرانہ ادا کر کے غریب بہن بھائیوں کو امداد بہم پہنچائیں۔ پھر کچھ گناہ بھی ایسے ہیں جن کے کفارے مال کی شکل میں ادا کئے جاتے ہیں اور یہ مال بھی نادار لوگوں ہی کے پاس پہنچا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عام نفل صدقات وخیرات کی بے پناہ فضیلت بیان کر کے بھی صاحب حیثیت لوگوں کو اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ وہ اپنے نادار بہن بھائیوں کو مالی امداد پہنچاتے رہیں۔

واضح رہے کہ معاشرے کی خوشحالی اس پر بھی منحصر ہوتی ہے کہ دولت کسی خاص طبقے یا خاص گروہ کے اندر سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ معاشرے کے مختلف طبقات، گروہوں اور افراد کے درمیان گردش میں آتی رہے۔ اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کی فرضیت اور سُود کی حرمت

Marfat.com

کے علاوہ ورثے کی تقسیم کو بھی لازم کر دیا گیا ہے۔ کوئی شخص چاہے کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو اور کتنی زیادہ دولت کیوں نہ اکٹھی کر چکا ہو، جیسے ہی وہ دنیا سے جاتا ہے اس کی دولت اس کے بچوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے جس سے وہ کئی نسبتاً چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ایک گھر سے نکل کر کئی گھروں میں پھیل جاتی ہے۔ پھر ہر ٹکڑا جس شخص کے پاس پہنچتا ہے اس کی وفات پر وہ مزید ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر اس کے بچوں میں پھیل جاتا ہے۔ پھر اسلامی شریعت میں چونکہ لڑکیوں کو بھی ورثہ دینا لازمی ہے اور لڑکیوں نے عموماً شادیوں کے بعد دوسرے گھرانوں میں جانا ہوتا ہے، اس لیے لڑکیوں کے وارث بننے کے باعث دولت اس خاندان سے نکل کر کئی اور خاندانوں میں بھی جا پہنچتی ہے جہاں کی لڑکیوں کے ذریعے اس نے پھر اور بہت سے خاندانوں میں پھیل جانا ہوتا ہے۔ اس طرح چند نسلیں گزرنے تک اس مالدار شخص کا مال ان گنت ٹکڑوں میں بٹ کر دور دور تک جا پہنچتا ہے۔ دولت کا یوں گردش میں آتے رہنا اس خرابی کی راہ کو بند کرنے کا ذریعہ بنتا ہے کہ دولت کسی خاص طبقے یا خاص گروہ میں محصور ہو کر رہ جائے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ قوم کی اکثریت مفلس ہو جائے۔

یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوشلزم بھی غریب کو اس کے حقوق دلانے کی دعوے دار ہے مگر اس کے لیے وہ مختلف طبقات کے درمیان دشمنی اور نفرت کی آگ بھڑکاتی ہے اور خون ریزی سے کام لیتی ہے۔ اسلام بھی ناداروں کو ان کے حقوق دلاتا ہے مگر اس طریقے سے کہ مختلف طبقات کے درمیان دوستی اور محبت قائم ہوتی ہے اور باہمی تعاون بڑھتا ہے۔ جب ناداروں کو یقین ہوتا ہے کہ

Marfat.com

مالداروں کے مال میں ان کا حصہ موجود ہے تو وہ اُن کے مالوں کی تباہی چاہنے کے بجائے ان میں دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ مالداروں کا مال جتنا بڑھتا جائے گا اس میں سے ان کا حصہ بھی زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ پھر سوشلزم نے مالداروں کا مال چھین کر ناداروں تک پہنچانا ہوتا ہے مگر اسلام مالداروں کو عذاب سے ڈرا کر اور ثواب کا شوق دلا کر انہیں اس بات کے لیے تیار کرتا ہے کہ وہ خوف کے سے اور شوق سے اپنے نادار بھائیوں تک ان کا حق پہنچائیں۔ ان دونوں رویوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ سوشلزم سے متاثر ہونے کے باعث معاشرے میں پھوٹ اور دشمنی پیدا ہوتی ہے اور اسلام کا بنایا ہوا طریقہ اختیار کرنے سے معاشرے میں باہم محبت، اخوت اور تعاون پیدا ہوتا ہے۔

اسلام کے ان احکام کی روشنی میں تعجب ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں اتنی ناداری آ کہاں سے گئی کہ سوشلزم کو اپنے اثرات پھیلانے کا موقع ملا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے تو اس بات کا بندوبست فرمایا تھا کہ مالداروں کا مال مسلسل ناداروں تک پہنچتا رہے مگر مسلمان کہلانے والے دین سے ناواقفیت اور دنیا کی حرص کے باعث ان احکام سے غافل ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت وہ مسلمان بہت کم ہوں گے جو احساس فرض اور دل کی خوشی سے اپنے مالوں کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرتے ہوں یا ورثے کو صحیح طریقے سے تقسیم کرتے ہوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ناداری عام نظر آتی ہے اور بلاشبہ مسلمان مالداروں نے بھی ناداروں پر ظلم توڑے ہیں، اور اس اسلامی مساوات کو بھول کر جس کا حکم پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی "بڑے" اور "چھوٹے" کے امتیاز کا شکار

Marfat.com

ہوگئے ہیں، حالانکہ اسلام نے انہیں یہی تعلیم دی تھی کہ مومنوں میں اگر کوئی بڑا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیزگاری زیادہ ہو اور اگر کوئی چھوٹا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیزگاری کم ہو۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۳ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اسلامی مساوات

اسلام میں امیر اور غریب، بڑے اور چھوٹے اعلیٰ اور ادنیٰ میں وہ فرق روا نہیں رکھا گیا جو بعض دوسری اقوام اور تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔ سب کلمہ گو ایک درجے کے ہیں اور غریب سے غریب آدمی بھی اپنی اہلیت کی بنا پر بڑے سے بڑا مقام حاصل کرسکتا ہے۔ کسی مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو دیکھ لیجیے اسلامی مساوات اپنی پوری وضاحت کے ساتھ نظر آجائے گی۔ نماز کی صفوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ آدمی سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ شخص تک ٹخنوں سے ٹخنے اور کندھوں سے کندھے ملا کر کھڑے ہوتے ہیں حکم ہے کہ جو پہلے آجائے وہ اگلی صفوں کا حقدار ہے چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، اور جو بعد میں آئے وہ پیچھے کھڑا ہو چاہے کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو۔ بعد میں آنے والے کا حق نہیں کہ کسی پہلے آنے والے کو اگلی صف کی جگہ سے محروم کرکے خود وہاں جاکر کھڑا ہو جائے۔ قانون کی نگاہ میں بھی سب امیر غریب ایک ہی درجے پر ہوں گے اور سلطنت کا حکمران بھی اگر کوئی ایسا جرم کرے گا جس کی شریعت نے کوئی معین سزا رکھی ہو تو اسے بھی وہ سزا بھگتنی ہوگی۔ اگر ایمان اور حسنِ عمل موجود ہو تو غریب کی غریبی نہ صرف یہ کہ اُس کے لیے کسی ذلت کا باعث نہیں ہو

Marfat.com

گی بلکہ بعض روایات میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ایسے ہی حسب نسب کے فخر کو بھی سخت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ کسی شخص کے آباء واجداد بڑے لوگ تھے یا چھوٹے اس کی اپنی عزت اس کے اپنے اعمال پر منحصر ہے نہ کہ آباء واجداد کے بڑے ہونے پر عربوں کے ہاں آباء واجداد پر فخر کرنے کا بھی بہت رواج تھا حضورؐ نے اسے سخت ناپسندیدہ قرار دیا؛

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اپنے اُن آباء واجداد پر فخر کرتے ہیں جو مر چکے وہ (اپنی اس حرکت سے) باز آجائیں۔ وہ (ان کے آباء واجداد تو اپنے کفر کے باعث) جہنم کا کوئلہ ہو چکے ہیں (لوگ ان جہنمیوں پر فخر کرنے سے باز آجائیں) ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے غلاظت کو دھکیلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تم (مسلمانوں) سے جاہلیت کا تکبر اور اس زمانے کا آباؤ اجداد پر فخر کرنا دور کر دیا ہے (اب لوگ دو ہی قسم کے ہیں) مومن متقی یا فاجر بدبخت۔ لوگ آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

چونکہ تمام انسانیت حضرت آدمؑ کی اولاد ہے اس لیے جدِ امجد تو سب کا ایک ہی ہے، لہٰذا آباؤ اجداد پر فخر کرنا احمقانہ حرکت ہے۔ جاہلیت میں جو لوگ آباؤ اجداد پر فخر کرتے تھے وہ اپنی جہالت کی بنا پر کرتے تھے۔ اسلام کے بعد جب سچا علم آگیا تو اس جہالت کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی۔ آدمی آباؤ اجداد کی بنا پر بڑا یا چھوٹا نہیں بنتا بلکہ اپنی پرہیزگاری یا فسق و فجور کے باعث بڑا یا چھوٹا بنتا ہے۔ جو نیک اور پرہیزگار ہے وہ بڑا ہے اور جو خدا کا نافرمان اور برائیاں کرنے والا ہے وہ چھوٹا ہے۔ آباء واجداد چاہے کسی کے کیسے ہوں۔

اسلامی اخوت کی رُو سے مسلمانوں کے درمیان جو محبت، خیر خواہی، ہمدردی،

Marfat.com

امداد باہمی اور صلح و اتفاق مطلوب ہے اس کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ دولت، حسب نسب، ذات برادری، نسل، رنگ، زبان، علاقہ، طبقہ غرض کہ کوئی شے بھی دیوار بن کر ان کے درمیان کھڑی نہ ہو، اور وہ "بڑے پن" اور "چھوٹے پن" سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کریں۔ ذیل میں کچھ احادیث بیان کی جا رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس طرح مساوات کا درس دیا ہے۔ اور اس بات کا بندوبست فرمایا ہے کہ انسان کی اہمیت اور فضیلت اس کے عقائد و اعمال کی بنا پر ہو جو اس کے اختیار میں ہوتے ہیں، اور ان بودی چیزوں کی بنا پر نہ ہو جو انسانی اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے عربوں کے ہاں غلام اور آزاد میں بہت فرق کیا جاتا تھا مگر حضور نے حضرت زیدؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے انھیں فوج کا سالار بھی بنایا تھا۔ حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بھی آپؐ بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپؐ نے ایک لشکر تیار فرمایا تو اُس لشکر کا سالار اُسامہؓ بن زیدؓ کو بنایا حالانکہ اس لشکر میں بڑے بڑے بزرگ صحابہؓ شامل تھے۔ چونکہ حضرت زیدؓ غلام رہ چکے تھے اس لیے بعض لوگوں نے حضرت اُسامہؓ کو غلام زادہ سمجھتے ہوئے اُنکے سالار بنائے جانے کو قابل اعتراض سمجھا۔ اس کے علاوہ عرب عمر اور تجربے کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ لہٰذا اُنہیں حضرت اُسامہؓ کی کم عمری بھی قابل اعتراض لگی حالانکہ ایک عقل مند اور دور اندیش انسان اگر کم عمر بھی ہو تو امکان ہے کہ وہ زیادہ عمر والے کم عقل اور کم دور اندیشی رکھنے والے انسان کی نسبت معاملات کو بہتر طور پر سنبھال سکے۔ ذیل کی حدیث میں اسی واقعے کا بیان ہے۔

Marfat.com

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر کا امیر حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو بنایا۔ للہٰذا ان کے امیر لشکر بنائے جانے پر طعن کیا گیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس کے امیر بنائے جانے پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ (یعنی حضرت زیدؓ) کے امیر بنائے جانے پر بھی طعن کرتے تھے۔ اور خدا کی قسم وہ امارت کے لائق تھا اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور اس کے بعد یہ (یعنی حضرت اُسامہؓ) مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے (البخاری)

ایسے ہی قانون کی نگاہ میں بھی امیر غریب سب برابر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے بارے میں فکر مند تھے، جس نے چوری کی تھی (اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا)۔ قریش نے کہا کہ کون اس کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرے۔ بعض نے کہا کہ اُسامہ بن زیدؓ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہے۔ اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسامہؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم خدا کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟" پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ پھر فرمایا "تم سے پہلی اُمتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ ان میں جب کوئی شرف و عزت والا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا، تو اس کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتیں تو البتہ میں اُسکا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (ترمذی)

ایسے ہی حسب نسب کی بنا پر فخر کرنے کی بھی نفی فرمائی گئی ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مومن کی دنیوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور فرمادے گا۔

اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، حق تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا،

اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی عیب پوشی کرے گا،

اور جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی امداد فرماتا رہتا ہے۔

اور جو شخص حصول علم کی راہ پر چلا، حق تعالیٰ اس کے سبب اس کے لیے بہشت کا راستہ آسان کر دے گا۔

اور جو لوگ خدا کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوئے اور اللہ کی کتاب کی تلاوت کی اور باہم اسے پڑھتے پڑھاتے رہے، تو ان پر سکونِ قلب اترتا ہے اور خدا کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان پر سایہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان (فرشتوں) کے درمیان کرتا ہے، جو اُس کے پاس ہیں،

اور جس شخص کو اس کے عمل نے کامیاب کرنے میں دیر لگائی اس کا نسب اسے کامیاب کرنے میں جلدی نہ کرے گا۔ (ریاض الصالحین بحوالہ مسلم)

عربوں کے ہاں حسب نسب کو بہت اہمیت دی جاتی تھی مگر اسلام میں اگر کسی اچھے حسب نسب والے شخص کا عمل اچھا نہ ہوگا تو محض حسب نسب کی بنا پر اُسے فوقیت نہیں دی جائے گی. حج کے ارکان میں ایک رکن یہ ہے کہ ذوالحجۃ کو سب حاجی عرفات کے میدان میں پہنچتے ہیں جسے "وقوف عرفات"

Marfat.com

کہا جاتا ہے اسلام سے پہلے بت پرست عرب بھی حج کیا کرتے تھے مگر قبیلۂ قریش اپنا اعزاز ظاہر کرنے کے لیے اپنے اور دوسرے قبائل میں یہ فرق رکھتا تھا کہ دوسرے قبائل کے لیے عرفات تک جانا ضروری ہوتا مگر قریش عرفات تک نہ جاتے بلکہ اس سے پہلے والے میدان مُزدلفہ تک پہنچ کر ہی واپس آجاتے اور اسے اپنا ایک امتیاز شمار کرتے۔ قرآن پاک نازل ہوا تو اس فخر و امتیاز کا خاتمہ کر دیا گیا اور لازم کیا گیا کہ سبھی مسلمان عرفات تک جائیں۔ کسی قبیلے کو بھی اس کے اعزاز کی بنا پر وہاں جانے سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا۔

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان (اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ) چند لوگوں کی موجودگی میں حضرت سلمانؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم (ابھی) اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن کو پکڑے جانے کی جگہ سے نہیں پکڑا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں فرمایا کہ کیا تم لوگ قریش کے ایک بوڑھے شخص اور قریشیوں کے سردار کو یوں کہہ رہے ہو۔ پھر حضرت ابوبکرؓ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کو یہ بات بتائی اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ شاید کہ تم نے انھیں ناراض کر دیا ہو۔ سُن لو کہ اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا اس پر حضرت ابوبکرؓ (پھر) اُن (تینوں) کے پاس گئے اور فرمایا کہ پیارے بھائیو کیا میں نے تمھیں ناراض کر دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں عزیز بھائی (ہم ناراض نہیں ہیں) خدا تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے (مسلم)

ابوسفیانؓ قریش کی شاخ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام کی بہت مخالفت کی تھی پھر جب حضورؐ نے مکہ فتح کرلیا تو یہ

Marfat.com

مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ ابو سفیان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے جب کہ ابھی وہ اسلام کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھے۔ حضرت سلمانؓ حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ کمزور مسکین لوگ تھے مگر دینی پایہ خدا کے فضل سے بہت بلند تھا جب انہوں نے ابو سفیان کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ان کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے تو حضرت ابو بکرؓ نے ٹوکا کہ وہ ایک بوڑھے شخص ہیں اور قریش کے سرداروں میں سے ہیں۔ تو آپ لوگ ان کے لیے اتنے سخت الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہیں۔ مگر جب حضورؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا کہ اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ہے اس پر حضرت ابو بکرؓ واپس ان لوگوں کے پاس گئے اور تسلی کرنا چاہی کہ کہیں وہ ناراض تو نہیں ہو گئے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں اصل اہمیت دولت اور عہدہ وجاہ کو نہیں بلکہ دیانتداری کو ہے۔ اگر مسکین لوگ بھی دیانتداری میں فائق ہوں تو وہ اتنے بلند مرتبہ سمجھے جائیں گے کہ ان کے ناراض ہو جانے کے خیال سے صدیق اکبرؓ جیسے لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے (صحابہؓ) سے فرمایا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو (یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص کیسا ہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اسکی بات کو غور سے سنا جائے۔ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ پھر حضورؐ خاموش ہو گئے۔ پھر غریب مسلمانوں میں سے کوئی شخص پاس سے گزرا تو حضورؐ نے فرمایا کہ (اچھا

Marfat.com

اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اتو معمولی آدمی ہے اور یہ اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات کو غور سے نہ سنا جائے۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا اس جیسے (امیروں) سے بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ (غریب) بہتر ہے۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں تھا کہ غریبی کسی کے پائے کو کم نہیں کرتی اگر اس کے ساتھ دینداری موجود ہو۔ حدیث سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اول الذکر امیر اور صاحب حیثیت شخص کی نسبت آخر الذکر غریب دیندار تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا کہ اول الذکر جیسوں سے دنیا بھری ہوئی ہو تو بھی آخر الذکر ان سب سے بہتر ہے

حضرت ابو الدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہارے کمزور اور غریب لوگوں ہی کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے اور (دشمنوں کے مقابلے میں) تمہاری امداد کی جاتی ہے (ترمذی)

اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ کمزور اور غریب لوگوں کی وجہ سے روزی اور امداد دیئے جانے سے یا تو یہ مُراد ہے کہ ان کی برکت سے خدا تمہیں روزی اور امداد دیتا ہے یا یہ ہے کہ ان کی دعا کے باعث تمھیں روزی اور امداد دی جاتی ہے۔ جو بھی مراد ہو بہرحال اس میں غریبی کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے حضورؐ کے اس فرمان سے کہ مجھے اپنے کمزور اور غریب لوگوں میں تلاش کرو بظاہر یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اپنے غریب اور کمزور لوگوں سے تعلقات

Marfat.com

قائم رکھو اور ان سے حسنِ سلوک کرو تو میں تم سے خوش ہوں گا اور خدا کے نبیؐ کا خوش ہونا ذریعہ ہوتا ہے خود خدا کے خوش ہونے کا کیونکہ نبیؐ تو اسی بات سے خوش ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہوگی کسی معاشرے کے امیروں اور غریبوں کا باہم ملنا جلنا اور ایک دوسرے سے حسن سلوک کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ معاشرے میں مساوات موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ باہمی تعلقات دونوں طبقات کے اخلاق پر نہایت عمدہ اثر ڈالتے ہیں، کیونکہ اس سے امیر کے دل سے احساسِ برتری دور ہوتا ہے اور غریب کے دل سے احساس کمتری اور چونکہ یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے مضر ہیں اس لیے ان کے دُور ہونے سے انسان کا اخلاق بہت بہتر شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ابو اُمامہ بن سہل بن حُنیف سے روایت ہے کہ ایک مسکین عورت بیمار ہوئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی بیماری کی خبر دی گئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی عادت تھی کہ آپؐ مسکینوں کی عیادت کیا کرتے تھے اور ان کا حال پوچھا کرتے تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ جب یہ وفات پا جائے تو مجھے خبر کرنا (وہ عورت وفات پا گئی) پس اس کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا اور لوگوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ حضورؐ کو (رات کے وقت) جگائیں (لہٰذا انہوں نے حضورؐ کو اطلاع دیئے بغیر ہی اسے دفن کر دیا) جب صبح ہوئی تو اس کے بارے میں حضورؐ کو بتایا گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ اس (کی وفات) کے بارے میں مجھے خبر کرنا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں یہ بات پسند نہ آئی کہ آپ کو رات کے وقت جگائیں (اس لیے آپؐ کو اطلاع نہ دی) پھر حضورؐ نکلے اور اس کی قبر کے پاس لوگوں کی صف قائم کی اور چار تکبیریں کہیں۔ (نسائی)

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (حضرت علیؓ کے بھائی) حضرت جعفرؓ بن ابی طالب مسکینوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور مساکین ان سے باتیں کرتے تھے (ان کی اس صفت کے باعث) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمساکین رکھی تھی (یعنی مسکینوں کا باپ) (ابن ماجہ)

اب اگر مسلمانوں کے ان ہدایات سے لاپروا ہو جانے کے باعث اسلامی معاشرے میں ہر طرف ناداری نظر آتی ہے، بڑے چھوٹے کا امتیاز پھیل چکا ہے اور مالدار ناداروں پر مظالم توڑنے سے باز نہیں آتے تو اس کا علاج کرنے کیلئے باہر سے ایک لادینی نظام درآمد کر کے اسے مسلمانوں پر ٹھونسنے کی ضرورت نہیں کہ جن کے پاس مال نہیں ہے ان سے خدا اور رسولؐ بھی چھن جائیں۔ بلکہ اس کا اصل حل یہی ہے کہ مالداروں اور ناداروں سب کو دین کے احکام سے واقف کرانے کی مہم چلائی جائے، انہیں اسلام کے زکوٰۃ، صدقات و خیرات، اسلامی مساوات، حرمت سود اور تقسیم وراثت کے نظام کے اغراض و مقاصد سے واقف کیا جائے اور اس بات کے لیے جدوجہد کی جائے کہ ملک کا نظام صحیح معنوں میں اسلامی ہو جس کے باعث صاحب نصاب لوگ اپنی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور ہوں، سود خوری کے دروازے بند ہوں، وراثت شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم کی جایا کرے تاکہ مالداروں کے مال ایک تدریج سے ناداروں تک پہنچ پہنچ کر ان کی ناداری کو ختم کرنے یا محدود کرنے کا ذریعہ بنتے رہیں اور اسلامی مساوات کا علم عام ہو جانے کے باعث "بڑے" اور "چھوٹے" کا یہ غیر اسلامی فرق مٹ جائے۔

Marfat.com

ذاتوں اور برادریوں کے امتیازات

سورۃ الحجرات آیت ۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

اس آیت کی تشریح یوں کی گئی ہے:

اس آیت میں پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے اس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے۔ یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن اور قومیت کا تعصب۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہی ہے۔ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھیں۔ دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ اور نیچ، شریف اور کمین،

Marfat.com

برتر اور کم تر کے امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے، ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں، اور ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جمائے۔ خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعاون و تعارف کی فطری صورت یہی تھی۔ تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔" (تفہیم القرآن)

افسوس کہ یہ ذاتوں برادریوں کی تفریق بھی غالباً دوسرے مسلمان ممالک کی نسبت پاکستان میں زیادہ پائی جاتی ہے اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ اہل پاکستان کم و بیش ہزار سال تک ایک ایسی قوم کے ساتھ رہے ہیں جنہوں نے اپنی پوری آبادی کو ذاتوں میں تقسیم کر کے ان کے درمیان نہایت مضبوط دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ذاتوں برادریوں کے معاملے میں وہ انتہا تو اختیار نہیں کی گئی جو ہندوؤں کے ہاں تھی تاہم جتنی ذات پرستی ہے وہ بھی قابل ماتم ہے۔

ان ذاتوں اور برادریوں کے تعصب نے معاشرے میں بے اتفاقی پیدا کرنے کے علاوہ کچھ اور شدید نقصان بھی پہنچائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس تعصب نے نکاح کا میدان تنگ کر دیا ہے۔ نکاح چونکہ پاکدامنی قائم رکھنے کا اہم ذریعہ ہے اور اس کی بنا پر کنبہ وجود میں آتا ہے جو معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اسلام میں نکاح کا میدان بہت وسیع رکھا گیا ہے۔ سوائے ان قریبی رشتوں کے جو حرمت کے رشتے کہلاتے ہیں باقی

Marfat.com

پورے اسلامی معاشرے میں نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ مگر جن لوگوں میں ذات برادری کا تعصب ہے انہوں نے نکاح کو بھی ذات اور برادری کے اندر محدود کر رکھا ہے جس کے باعث نکاح کا وسیع میدان تنگ ہو گیا ہے۔ قدرتی طور پر یہ غیر اسلامی پابندی والدین اور اولاد دونوں کے لیے شدید مشکلات کا باعث بن رہی ہے کیونکہ اس پابندی کے باعث اچھے رشتے ملنے بہت مشکل ہو جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سے گھرانے اب اس تعصب کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاہم جہاں کہیں یہ تعصب موجود ہے وہاں متعصب لوگوں کو اس کے بوئے ہوئے کانٹے چننے ہی پڑتے ہیں۔ ایسے دردناک سین بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ اچھی بھلی، خوش شکل، نیک اطوار بچیاں نکھٹو اور بد اطوار لڑکوں کے پلے باندھ دی جاتی ہیں کیونکہ اپنی برادری میں بہتر لڑکا ملتا نہیں اور جو رشتے بہتر ہوتے ہیں ان کا تعلق دوسری برادریوں سے ہوتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جن ذاتوں اور برادریوں کو معاشرے میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے وہ بھی بچوں کی شادیاں کرتے وقت اپنی ہی ذات برادری پر اس طرح زور دیتے ہیں گویا وہی سب سے بڑھیا ہیں۔

ایک بڑا ہی افسوسناک واقعہ دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ کہ ایک بچی کی شادی کسی دوسری برادری میں ہو گئی۔ شادی سے کئی سال بعد بچی کے میکے والوں میں کوئی وفات ہو گئی تو اس کے سسرال والے تعزیت کے لیے آئے۔ کچھ دن بعد بچی کی کسی رشتے دار نے اس کے بھائی سے پوچھا کہ کیا اس کے سسرال والے تعزیت کے لیے آئے تھے۔ اس کا بھائی ناک بھوں چڑھا کر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا: "ہاں آئے تھے۔ ہمارے لوگوں میں بیٹھے ہوئے ایسے اجنبی لگ رہے تھے جیسے یہودی بیٹھے ہوں!"۔ عبرت کا مقام ہے کہ صرف

Marfat.com

دوسری برادری سے متعلق ہونے کے باعث اپنے کلمہ گو بھائیوں کو یہودیوں سے تشبیہ دے دی گویا دین کی بنیاد نعوذ باللہ صرف برادری ہی ہوتی ہے!

نکاح کا میدان محدود کر دینے کے علاوہ ذات برادری کے تعصب نے اہل پاکستان کو سیاسی طور پر بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ وہ اس طرح کہ انتخابات میں جو امیدوار جس برادری سے تعلق رکھتا ہے وہ ان میں برادری کا تعصب بڑھکانا شروع کر دیتا ہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ ووٹ ملیں اور عموماً امیدوار لوگ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہی رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ یہ تو نہیں دیکھتے کہ کون سا امیدوار اچھا اور لائق ہے اس کو ووٹ دیں بلکہ یہی دیکھتے ہیں کہ کون سا امیدوار ان کی برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا بسا اوقات وہی لوگ چنے جاتے ہیں جن کے پیچھے برادریوں کے جتھے ہوں چاہے وہ اول درجے کے جاہل اور نالائق ہی کیوں نہ ہوں۔ قیام پاکستان سے پہلے اس صورت حالات نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں شدید نقصان پہنچایا، کیونکہ برادریوں کی بنا پر ان پڑھ اور نیم پڑھے لکھے لوگ مسلمانوں کے نمائندے بن بیٹھے اور اسمبلیوں میں آداخل ہوئے۔ ان لوگوں میں نہ اتنی اہلیت تھی کہ مسلمانوں کے مفاد کا صحیح طریقے سے دھیان رکھ سکیں اور نہ ذاتی اغراض کی حرص انہیں اس طرف متوجہ ہی ہونے دیتی تھی۔ عاشق حسین بٹالوی کی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" صفحہ ۴۳، ۴۴ پر اس دردناک صورت حالات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"جاٹوں کی الگ انجمنیں قائم ہو گئیں، راجپوتوں نے اپنی علیحدہ مجلسیں کھڑی کر لیں، اعوانوں کے اڈے الگ قائم ہو گئے، مغلوں، پٹھانوں اور آرائیوں نے اپنی اپنی الگ ٹولیاں بنا لیں۔ اور ستم یہ ہوا کہ یہ تمام

Marfat.com

انجمنیں اس غرض سے قائم نہیں کی گئی تھیں کہ مسلمانوں کی مختلف برادریوں کے سرکردہ ارکان اپنے بھائی بندوں کی تعلیم کا بہتر انتظام کریں، یا اپنی معاشرت کی اصلاح فرمائیں، یا غیر ضروری اور مُسرفانہ رسوم کا ازالہ کر کے قوم کی اقتصادی حالت کو درست کریں، بلکہ ان انجمنوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ سیاسی حقوق کے بٹوارے میں جاٹوں کا کتنا حصہ نکلے گا اور راجپوتوں کے پلے کیا کچھ پڑے گا۔ مجلس قانون ساز میں مغل اور پٹھان کتنی نشستوں پر کر سکیں گے اور اعوانوں اور ٹوانوں کو کتنی وزارتیں ملیں گی"

یعنی اُس وقت مسلمانوں کو جو مُراعات مطلوب تھیں اُنھیں حاصل کرنے کے لیے وہ ایک قوم کی حیثیت سے آگے بڑھنے کے بجائے جاٹوں، راجپوتوں پٹھانوں، مغلوں اور اعوانوں وغیرہ کی الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں آگے بڑھ رہے تھے۔ قدرتی بات ہے کہ یہ صورت حالات مسلمانوں کے لیے نقصان کا باعث بنتی۔ جن لوگوں کے دلوں میں دینی رُوح اور دردمندی تھی وہ اس صورت حالات سے شدید طور پر پریشان تھے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ذات برادری کے تعصب کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ذات برادری کے اس غیر اسلامی تعصب کے خلاف فریاد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک،
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک،
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک،
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک،

Marfat.com

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟
شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کبھی مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

عالم اسلام کے مصائب دُور کرنے کے سلسلے میں یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی کہ جہاں تک ہمارے ذرائع اور وسائل اجازت دیں ہم ایکدوسرے کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی طرف توجہ دلائیں کہ اسلام کے مرکز سے ہٹ کر ہم کسی خیر کی توقع نہیں رکھ سکتے اور جاہلی تعصبات ہمیں انجام کار اسلام سے دُور ہٹالے جائیں گے۔ مختلف غیر اسلامی نظریات اور عصبیتوں کو اپنا لینے کے باعث مسلمان ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر کر رہ گئے ہیں۔ حکیم الامت مرحوم نے اس دردناک حقیقت پر آنسو بہاتے ہوئے فرمایا ہے:

درجہاں آوارۂ بے چارۂ
وحدتے گم کردۂ صدپارۂ

(تو جہاں میں آوارہ اور بے چارہ ہو کر رہ گیا ہے۔ چونکہ تو اپنی وحدت کو گم کر بیٹھا ہے اس لیے تو سو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا ہے)

اس قوم کی نادانی کا کیا ٹھکانا جس نے اپنے ان اصولوں سے منہ موڑ لیا جو دنیا میں سربلندی و سرفرازی اور آخرت میں نجات دلانے والے تھے

Marfat.com

اور ان غلط نظریات اور بودی عصبیتوں کو اختیار کر لیا جو اسے دنیا میں صد پلپ کر کے اغیار کا لقمہ اور آخرت میں خدا کے غضب کا شکار بنانے والی تھیں۔

سورۃ التوبہ آیت ۱۰۹ میں فرمایا گیا ہے۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات گگر پر اٹھائی ہو........"

جو فرد یا جماعت یا قوم ایسی نادانی کا سودا کرے اس کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں" (الحج آیت ۴۶)

حضورؐ کے فرامین

جاہلی عصبیتوں کی اس بحث کو اب حضورؐ کے ان فرامین پر ختم کیا جاتا ہے جن میں آپؐ نے ان عصبیتوں کی مذمت فرمائی ہے:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض (یعنی برے) تین اشخاص ہیں (ایک) حرم میں الحاد اور بے دینی کرنے والا (دوسرے) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا اور (تیسرے) کسی شخص کا ناحق خون چاہنے والا تاکہ اس کا خون بہائے (بخاری)

اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنا یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ

Marfat.com

حرکات کی جائیں جو جاہلیت سے تعلق رکھتی ہوں یا اسلامی معاشرے میں ان چیزوں کو پھیلانے کی کوشش یا خواہش کی جائے جن کا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ جاہلیت سے ہے۔ خدا کے سوا کسی اور کو معبود یا حاجت روا ماننا، آخرت کا انکار کرنا، قبائلی یا گروہی تعصبات کو بڑھکانا، انتقام لینے میں شدت برتنا، میتوں پر نوحہ کرنا، بدزبانی سے کام لینا، اکھڑپن اختیار کرنا اور اس کے علاوہ وہ سب برائیاں جنہیں اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اور جاہلیت انہیں خوبیاں سمجھتی ہے، مسلمان ہونے کے باوجود انھیں اختیار کرنا یا اسلامی معاشرے میں انہیں رواج دینے کی کوشش کرنا اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص (امیر کی) اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی اور پھر (اسی حالت میں) مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جو اندھے جھنڈے تلے لڑتا ہے اور قومی تعصب کے لیے غصّے میں آتا ہے یا (لوگوں کو) قومی تعصّب کی طرف بلاتا ہے، یا (خدا کی خوشنودی کی خاطر نہیں بلکہ) تعصب ہی کے باعث قوم کی امداد کرتا ہے اور پھر قتل ہوجاتا ہے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اور جو میری اُمت کے خلاف نکلا کہ اس کے نیک کو بھی مارتا ہے اور اس کے بد کو بھی اور اس کے مومن کو بھی ایذا دے کر اُس کی حالت سے متاثر نہیں ہوتا، اور جس سے عہد ہے اس کے عہد کو بھی پُورا نہیں کرتا، تو وہ مجھ سے نہیں ہے نہ میں اس سے ہوں (مسلم)

اس حدیث میں حضورؐ نے مندرجہ ذیل لوگوں کی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیا ہے:-

۱۔ جو اپنے مسلمان امیر کے جائز احکام کی تعمیل نہ کرے اور مسلمانوں

Marfat.com

کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرے اور اسی حالت میں مر جائے۔ ایسے شخص کی موت اس لیے جاہلیت کی موت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہی طریقہ تھا کہ وہ لوگ ایک امیر کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور متحد ہو کر ایک جماعت بن کر نہیں رہتے تھے بلکہ مختلف گروہوں کی شکل میں زندگی گزارتے تھے اور وہ گروہ آپس میں جنگ وجدال کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا اسلام کے بعد بھی اگر مسلمان اپنی جمعیت توڑیں گے۔ نسلوں، رنگوں، علاقوں، ذاتوں، بڑائی چھوٹائی وغیرہ کی بنا پر ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے تو وہ جاہلیت کا طریقہ اختیار کریں گے۔

(۲) جو اندھے جھنڈے تلے لڑے یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر لڑے جن کے لڑنے کا مقصد مجہول ہے اور نہیں معلوم کہ جس مقصد کی خاطر وہ لڑ رہے ہیں وہ حق ہے یا باطل۔ ایسی جنگ میں شامل ہو کر جو مر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

(۳) جو قومی تعصب کا شکار ہے۔ جو یہ تو نہیں دیکھتا کہ اس کی قوم حق پر ہے یا ناحق پر۔۔ بس ہر صورت میں یہی ضروری سمجھتا ہے کہ قوم کی حمایت کرے جو قومی تعصب کی خاطر غصے میں آتا ہے، دوسرے لوگوں کو بھی قومی تعصب سے کام لینے پر ابھارتا ہے، تعصب ہی کی خاطر قوم کی امداد کرتا ہے۔ وہ اگر اسی طرح قوم کی متعصبانہ امداد کرتا ہو مارا جائے اس کی موت بھی جاہلیت کی موت ہے۔ واضح رہے کہ اپنی قوم کی امداد کرنا تو غلط بات نہیں مگر اپنی قوم ظالم ہو اور پھر ظلم کرتے ہیں اس کی امداد کی جائے تو یہ ضرور غلط ہے۔

حضرت سُراقہؓ بن مالک بن جُعشم مُدلجی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی قوم کا دفاع کرے جب تک کہ گناہ نہ کرے (ابوداؤد)

Marfat.com

یعنی جو شخص اپنی قوم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے دے اور ظلم و زیادتی کے خلاف ان کا دفاع کرے وہ بہت اچھا ہے بشرطیکہ قوم کی حمایت میں دوسروں پر ظلم نہ کرنا شروع کر دے۔ یا اپنی قوم ظلم کر رہی ہو، انہیں ظلم کرنے سے تو نہ روکے مگر جب دوسرے اُس کے ظلم کو بند کرنے کے لیے اس سے لڑیں تو اپنی ظالم قوم کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہو۔

اس کے علاوہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت میں سے جو شخص میری اُمت ہی کے خلاف اٹھ کھڑا ہو یعنی اپنی ہی مسلمان جماعت کے خلاف کھڑا ہو جائے اور اپنے مسلمان بھائیوں میں سے نیک بد سب کو مارنا شروع کر دے اور اس میں اسلامی اخوت اس طرح ختم ہو کر رہ جائے کہ اپنے مومن بھائیوں کو اذیت دے کر پھر اس کا دل بھی نہ دُکھے اور جس سے عہد ہو اس کے عہد کو بھی پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں نہ میں اس سے ہوں۔

بعض کا خیال ہے کہ عہد والے سے یہاں مُراد ذمّی ہیں جن کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کا اسلامی حکومت نے عہد کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کی جان و مال اور عزت پر جس نے بے وجہ حملہ کیا اس نے اس عہد کو توڑا۔ آخر میں حضورؐ نے یہ فرمایا کہ وہ مجھ سے نہیں تو اس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ میری اُمت میں سے نہیں یا وہ میری اُمت پر چلنے والا نہیں، میرا طریقہ اختیار کرنے والا نہیں۔ اور میں اس میں سے نہیں کا مطلب یہ ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصار میں سے ایک شخص کے سرین پر مارا تو اس انصاری نے پکارا کہ اے انصار مدد کو

Marfat.com

پہنچو. اور مہاجر نے پکارا کہ اے مہاجرو مدد کو پہنچو (غرضکہ دونوں نے اپنے اپنے گروہ کو مدد کے لیے پکارا جیسے زمانۂ جاہلیت میں ہر شخص اپنے گروہ کو پکارا کرتا تھا) اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ زمانۂ جاہلیت کی سی پکار کیسی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مہاجرین میں سے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو سرین پر مارا ہے (اس پر دونوں اپنے اپنے گروہ کو پکارنے لگے) حضورؐ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ بے شک یہ بڑی قبیح بات ہے۔ پھر (جب منافقوں کے سردار) عبداللہ بن اُبیؔ نے یہ بات سُنی (کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا ہے) تو (اس میں بھی وہی زمانۂ جاہلیت کی عصبیت جاگ اُٹھی اور) بولا کہ مہاجرین نے ایسے کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر ہم مدینے لوٹیں گے تو جو عزت والے ہیں وہ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے (مُراد یہ تھی کہ اہل مدینہ مہاجرین کو مدینے سے نکال دیں گے۔ اس شرارت بھری بات کو سن کر) حضرت عمرؓ بولے کہ (یا رسولؐ اللہ) مجھے چھوڑ دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ (مگر حضورؐ تو ان منافقین کے مقابلے میں ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے) آپؐ نے فرمایا کہ جانے دو، لوگ باتیں نہ بنائیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (مسلم)

زمانۂ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ ہر انفرادی مخالفت کو اجتماعی بنا لیا کرتے تھے۔ دو قبیلوں کے دو انسانوں کے درمیان آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ اسے انفرادی جھگڑا سمجھ کر خود ہی اسے نمٹا لیتے ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کی دہائی دینے لگتا۔ قبیلے والے بھی تعصب اور حماقت کے باعث یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے کہ قصور کہیں ان کے اپنے آدمی ہی کا تو نہیں بلکہ فوراً جاہلانہ غیرت کا شکار ہو کر امداد کو آجاتے اور اس طرح وہ انفرادی نزاع جو درحقیقت صرف دو آدمیوں کے درمیان ہوتی دو قبیلوں کی جنگ بن جاتی۔ اسلام

Marfat.com

کے بعد بھی کبھی یہ صورت ہو جاتی کہ جس معاملے کے متعلق ابھی واضح نہیں کیا گیا ہوتا کہ یہ اسلام میں ممنوع ہے اس کے بارے میں مسلمان غلطی سے جاہلیت کا طرزِ عمل اختیار کر لیتے۔ ایسے ہی اس واقعے میں بھی ہوا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے گروہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضورؐ نے سمجھایا کہ ایسا کرنا بہت بُری بات ہے اسے چھوڑ دو۔ عبداللہ بن اُبی چونکہ تھا ہی منافق، اُسے شر پھیلانے کا موقع ملا تو اس نے مہاجرین کے خلاف زبان درازی شروع کر دی جس پر حضرت عمرؓ طیش میں آ گئے اور اسے قتل کرنے کی اجازت مانگنے لگے مگر حضورؐ نے فرمایا کہ جانے دو کیونکہ حضورؐ ان شریر منافقوں کے معاملے میں ہمیشہ عفو و درگزر کا رویّہ اختیار فرماتے تھے۔ مہاجرین اور انصار کا اس طرح اپنے اپنے گروہ کو پکارنے کو حضورؐ نے "جاہلیت کی سی پکار" کا لقب دیا کیونکہ یہ وہی بات تھی کہ انفرادی نزاع کو اجتماعی بنا کر بے شمار لوگوں کو اس میں شامل کر لیا جائے جس سے چھوٹا سا فتنہ پھیل کر بہت بڑا ہو جائے۔

Marfat.com

اپنے اندر سے اُٹھ کھڑے ہونے والے اختلافات

گزشتہ اوراق میں جن اختلافات کا ذکر ہوا ہے وہ زیادہ تر غیر مسلموں کے نظریات اور طور طریقوں سے متاثر ہونے کے باعث پیدا ہوتے ہیں مگر کئی جان لیوا اختلافات ایسے بھی ہیں جو ہمارے اپنے معاشرے کے اندر ہی سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان اختلافات کے پیدا ہونے کا سبب مسلمانوں کا دین سے غافل ہونا نہیں بلکہ بزعمِ خود دین کا بہت زیادہ وفادار ہونا ہے اگرچہ اس وفاداری کے اظہار کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں وہ خود دین ہی کے لیے مضر ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ دین کے یہ نادان دوست اپنے اپنے مذہبی فرقے کو سچا اور اختلافی مسائل میں اپنے اپنے امام کی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف طعن وتشنیع سے کام لیتے، مناظروں کے دنگل قائم کرتے، ایک دوسرے کی مساجد کا بائیکاٹ کرتے، ایک دوسرے کو بدعتی اور منافق بتاتے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی سعی بھی کر گزرتے ہیں۔ اور اس طرح دین کی محبت کو جو فی الحقیقت ملّت کے افراد کو باہم جوڑنے کا ذریعہ ہے، ملّت میں پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب دین ایک ہے، قرآن ایک ہے، جس نبیؐ نے اس قرآن

Marfat.com

کی تعلیم دی وہ بھی ایک ہی ہے تو پھر اتنے شدید اختلافات پیدا کیسے ہوگئے۔ اسے سمجھنے سے پہلے ذرا ذیل کا اقتباس دیکھ لیں :

فقہی مسالک

"قرآن وحدیث کے احکام پر غور کر کے بعض بزرگانِ دین نے عام لوگوں کی آسانی کے لیے مفصّل قوانین مرتّب کر دیتے ہیں جن کو فقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص قرآن کی تمام باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتا نہ ہر شخص کے پاس حدیث کا ایسا علم ہے کہ وہ خود شریعت کے احکام معلوم کر سکے اس لیے جن بزرگانِ دین نے برسوں کی محنت اور غور و تحقیق کے بعد "فقہ" کو مرتب کیا ان کے بار احسان سے دنیا کے مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ یہ اُنھیں کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج کروڑوں مسلمان بغیر کسی زحمت کے شریعت کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کسی کو خدا اور رسولؐ کے احکام معلوم کرنے میں دقّت نہیں پیش آتی۔ ابتدا میں بہت سے بزرگوں نے فقہ کو اپنے اپنے طریقے پر مرتّب کیا تھا مگر رفتہ رفتہ چار فقہیں دنیا میں باقی رہ گئیں اور آج دنیا کے مسلمان زیادہ تر اُنھیں کی پیروی کرتے ہیں :

(۱) امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ جس کی ترتیب میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام زُفرؒ اور ایسے چند اور بڑے بڑے علمار کا مشورہ بھی شامل تھا۔ اسے "فقہ حنفی" کہا جاتا ہے

(۲) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ۔ یہ "فقہ مالکی" کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ یہ "فقہ شافعی" کہلاتی ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ۔ اس کو فقہ حنبلی کہتے ہیں،

یہ چاروں فقہیں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد دو سَو برس کے اندر اندر

Marfat.com

مرتب ہوگئی تھیں۔ ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بالکل قدرتی اختلافات ہیں چند آدمی جب کسی معاملے کی تحقیق کرتے ہیں یا کسی بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی تحقیق اور سمجھ میں تھوڑا بہت اختلافات ضرور ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سب حق پسند اور نیک نیت اور مسلمانوں کے خیر خواہ بزرگ تھے اس لیے مسلمان ان چاروں فقہوں کو برحق مانتے ہیں۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ایک معاملے میں ایک ہی طریقے کی پیروی کی جا سکتی ہے چار مختلف طریقوں کی پیروی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرنی چاہیئے۔ ان (چاروں فقہوں کو ماننے والوں) کے علاوہ علماء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ کسی خاص فقہ کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ علم رکھنے والے آدمی کو براہ راست قرآن اور حدیث سے احکام معلوم کرنے چاہئیں اور جو علم نہ رکھتے ہوں انھیں چاہیئے کہ جس عالم پر بھی ان کا اطمینان ہو اس کی پیروی کریں۔ یہ لوگ اہل حدیث کہلاتے ہیں اور اوپر کے چار گروہوں کی طرح یہ بھی حق پر ہیں۔"

(دینیات از مولانا مودودی صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶)

چنانچہ باہمی اختلافات کی ایک وجہ تو ان پانچوں گروہوں کا ' فروعی مسائل ہیں ' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھتے رہنا ہے۔ جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جن مسائل پر آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں اور باہمی اتحاد کو نقصان پہنچتا ہے وہ دین کے بنیادی اور اصولی احکام نہیں ہوتے بلکہ ثانوی حیثیت کے فروعی مسائل ہوتے ہیں۔ توحید، رسالت، آخرت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو ان فروعی مسائل میں جن میں کسی ایک امام کی پیروی کرنے یا دوسرے امام کی پیروی کرنے سے کوئی شخص دین سے خارج نہیں ہوتا۔ مگر مسلمانوں کی شدت پسندی اور دینی روح سے ناواقفیت اور اسلامی اخوت کے تقاضوں سے لاپراہی کا یہ عالم ہے کہ فروعی مسائل ہی کی بنا پر

Marfat.com

بے تکلف ایک دوسرے کو دین سے خارج قرار دینے کو تیار رہتے ہیں۔ ایسا کر کے یہ نادان لوگ بزعم خود دین کی خدمت کرتے ہیں، حالانکہ فی الحقیقت وہ یہ جھگڑے اُٹھا کر دین کو نقصان پہنچانے کے جرم کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں۔

جن چار فقہوں کے پیرو دنیا میں زیادہ پائے جاتے ہیں وہ جن بزرگوں کی طرف منسوب ہیں ان کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کرنے والے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ استادی شاگردی کا تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں کے شاگرد تھے اور امام احمدؒ بن حنبل امام شافعیؒ کے شاگرد تھے مگر پیروؤں کا یہ عالم ہے کہ بعض جگہ مساجد بھی علیحدہ علیحدہ کر لی گئی ہیں۔ بعض مساجد پر لکھا ہوتا ہے "یہ مسجد احناف ہے" "یہ مسجد اہل حدیث ہے"۔ مساجد تو اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور ہر کلمہ گو کے لیے عبادت کی جگہ ہیں۔ انہیں ملت کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کے ساتھ منسوب کر کے ان کی عمومیت کو محدود کرنے میں آخر کیا خدمت دین مطلوب ہوتی ہے

ان باہمی اختلافات نے بحث مباحثے کو رواج دیا اور پھر یہ اتنی بڑھی کہ مناظروں کے گویا دنگل قائم ہونے لگے جن میں عموماً فریقین کی اصل خواہش یہ نہیں ہوتی تھی کہ حق کو ثابت کریں بلکہ یہ ہوتی تھی کہ جیسے بھی ہو مباحثے میں جیت حاصل کر لیں۔ ظاہر ہے کہ جو مناظرہ اس گھٹیا مقصد کی خاطر کیا جائے گا اُس میں پھر زبان بھی تیز و تُند استعمال ہو ہی جائے گی اور اگر کوئی فریق اپنی زبان آوری سے اپنی رائے کو صحیح ثابت کر بھی دے تو وہ فریق مخالف کی زبان تو بند کر سکتا ہے مگر اس کا دل نہیں کھول سکتا بلکہ بسا اوقات فریق مخالف احساس شکست اور ضد کے باعث اپنی رائے میں اور بھی پکا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ علمی مباحثہ اگر نیک نیتی کے ساتھ ہو تو علم کو بڑھاتا اور حق کو ثابت کرتا ہے، مگر جب مقصود صرف یہ ہو کہ ہر صورت میں اپنے فرقے کی رائے ہی کو درست ثابت کرنا ہے اور اپنے ذاتی علم و فضل کی دھاک بٹھانی ہے اور دوسرے

Marfat.com

کو شکست دے کر اپنے آپ کو عوام کے سامنے ایک "فاتح" بنا کر پیش کرنا ہے تو پھر حق تو ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا مگر ملت میں باہمی پھوٹ کی خلیج ضرور وسیع تر ہو جاتی ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" میں نہایت تفصیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مناظرے سے تفاخر، حسد، رشک، ضد، جاہ پرستی، حب مال، فضول گوئی اور دل کی قساوت پیدا ہوتی ہے۔ اس بحث کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ:

"بڑے بڑے دیندار اور بڑے بڑے عاقل علماء ہیں بھی جو مناظرے کے شغل میں رہتے ہیں، ان اوصاف کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور پایا جاتا ہے"۔

دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں میں اس مناظرہ بازی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے وہ پھر کسی چھوٹے سے فروعی مسئلے پر بھی ایسا مبالغہ آمیز زور دیتے ہیں کہ ایک عام انسان حیران رہ جاتا ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان کے دوران رات کے وقت حضورؐ نے تراویح پڑھی بھی ہیں اور کسی دن نہیں بھی پڑھیں۔ اب اہل حدیث اور حنفیوں کے درمیان ایک وجہ اختلاف یہ بھی ہے کہ تراویح کی رکعات بیس (۲۰) ہیں یا آٹھ (۸) اس مسئلے پر وہ بحثیں ہوتی ہیں گویا دیندار رہنے یا نہ رہنے کا مدار تراویح کی رکعات ہی پر ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس عبادت کو حضورؐ نے فرض قرار نہیں دیا اس کی رکعات کے بارے میں باہم اتنا جھگڑا کرنے میں آخر تک کیا ہے۔

پھر ایک اختلافی مسئلہ یہ بھی ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے رفع یدین کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ایک صاحب نے صرف اسی مسئلے پر کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات کی کتاب لکھ ماری جس میں بتایا کہ مذہبی اختلافات کی بنا پر انھیں اور اُن کی بیوی کو رشتے داروں اور واقف کاروں کے ہاتھوں کتنی اذیت سہنی پڑی۔ آخر میں وہ کہتے ہیں کہ الحمدللہ کہ ان ساری تکالیف کے باوجود ہم اپنے عقیدے پر قائم ہیں اور میں اور میری بیوی

Marfat.com

نماز میں برابر رفع یدین کرتے ہیں۔ کتاب میں جس انداز سے انھوں نے اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہوا تھا اس سے پڑھنے والے پر جو اثر پڑتا تھا وہ یہ تھا کہ گویا مسلمان رہنا یا نہ رہنا رفع یدین کرنے یا نہ کرنے ہی پر منحصر ہے۔

ظاہر ہے کہ جس شخص کو جس امام کی رائے پر بھروسہ ہوگا وہ اُس کی تقلید کریگا اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اسی کی فقہ کے مطابق چلنا چاہے گا۔ اُس کا ایسا کرنا بالکل درست طرزِ عمل ہے، کیونکہ سب امام انتہائی نیک نیت اور لائق فائق لوگ تھے اور انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ درست نتیجے پر پہنچیں۔ چنانچہ کسی ایک امام کی فقہ کو مانتے ہوئے زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے مطابق چلنا اور اپنے اس طرزِ عمل کو درست سمجھنا ہرگز کوئی ایسی بات نہیں جسے قابل اعتراض سمجھا جائے۔ قابل اعتراض بات تو صرف یہ ہے کہ کسی ایک امام کے وفادار رہتے ہوئے یہ بھی ضروری سمجھ لیا جاتا ہے کہ جو لوگ دوسرے اماموں کی فقہوں کی پیروی کرنے والے ہیں ان کے ساتھ غلط قسم کی مناظرہ بازیاں کی جائیں، انھیں اسلام سے دور قرار دیا جائے اور ان کے ساتھ لڑائیاں جھگڑے کر کے ملت کی کمزوری کا باعث بنا جائے حالانکہ اگر انسان وسیع النظری اور فراخدلی سے کام لے تو اپنے اپنے طریقے پر قائم رہ کر بھی دوسرے مسلمان بہن بھائیوں کے ساتھ محبت و اتفاق سے، قدم سے قدم ملا کر، چلا جا سکتا ہے۔

یہاں ایک اور بات کو ذہن میں صاف کر لینا چاہیے کہ جو لوگ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ سنّت کی پوری پوری پیروی کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اور بالکل غیراہم معلامات میں بھی وہی طرزِ عمل اختیار کیا جائے جو حضورؐ نے اختیار کیا تھا حضورؐ کے لیے یہ محبت اور آپؐ کی سُنت کی پیروی کا یہ جذبہ نہایت قابل قدر ہے

Marfat.com

مگر ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حُبِّ رسولؐ اور جذبہ پیرویٔ سُنّت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اس بات کا پابند بنانے کی کوشش کریں کہ چھوٹے سے چھوٹے امر میں بھی سنت کے مطابق ہی چلنا ہے، مگر چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل کی بنا پر دوسروں کو تنقید کا ہدف بنا لینا اور ان سے جھگڑے کر کر کے اسلامی معاشرے کی فضا کو بے اتفاقی کے تکدر سے بھرنا سنت کی پیروی نہیں بلکہ مخالفت ہے جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے میں بھی حضورؐ کی پیروی کی کوشش جاری رہنی چاہیئے مگر جب معاملہ دوسروں کو کہنے کا ہو تو اہم اور بنیادی امور ہی کو زیر بحث لانا مناسب ہے۔ کیونکہ جب دوسروں کے ساتھ بات کرتے وقت اہم اور بنیادی امور پر زور دیا جائے گا تو آپس میں اتفاق بڑھے گا مگر جب چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل پر زور صرف کرنا شروع کر دیا جائے گا تو ان میں چونکہ باہم مختلف رائیں موجود ہیں جتنا ان پر زیادہ زور دیا جائے گا بے اتفاقی پیدا ہونے کا خطرہ زیادہ بڑھتا جائے گا۔

ایک بزرگ فقیہہ نے فتویٰ دیا کہ اگر کپڑوں پر ناپاکی کا اتنا اور اتنا داغ ہو تو وہ نماز میں حارج نہیں ہوگا۔ لیکن ایک دن انہیں دیکھا گیا کہ ان کے لباس پر بہت چھوٹا سا داغ تھا مگر اُسے بھی وہ مل مل کر دھو رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو فتویٰ دیا تھا کہ لباس پر ناپاکی کا اتنا اور اتنا داغ لگا ہونے کی صورت میں بھی نماز ہو جاتی ہے مگر اب آپ خود اتنے ننھے سے داغ کو بھی مل مل کر دھو رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس پر انہوں نے یہ فرمایا کہ وہ فتویٰ تھا اور یہ تقویٰ ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ دوسروں کو بتاتے ہوئے تو میں چاہتا ہوں کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے آسان سے آسان فتویٰ دوں مگر اپنے لیے میں پرہیزگاری کا معیار اونچا رکھنا چاہتا ہوں لہٰذا میں پسند نہیں کرتا کہ میرے لباس پر ذرا سا بھی ناپاکی کا داغ ہو۔ یہی وہ طرزِ فکر ہے جو دین کو پھیلانے اور ملت کے اندر اتفاق و اتحاد قائم رکھنے کیلئے

Marfat.com

مفید ہے مگر افسوس کہ ہمارے اکثر دین پسند لوگ یہ طرزِ فکر نہیں رکھتے جس کا نتیجہ بحث و جدال اور بے اتفاقی ہے۔ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں دوسروں کے معاملے میں اتنی شدت پسندی کا ثبوت دینا فی الواقع سنت کی مخالفت کرنا ہے۔ اگر واقعی سنّت سے محبت ہے تو فروعی اختلافی مسائل کو نافذ کرنے کے لیے خود اپنی ذات کو چنیے اور دوسروں سے معاملہ کرتے وقت اہم اور بنیادی امور پر توجہ دیجیے تاکہ اختلاف کی نوبت کم سے کم آتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمان تو یہ ہے کہ

"(قیامت کے روز اعمال تولنے والی) ترازو میں جو چیزیں رکھی جائیں گی ان میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی۔ اور اچھے اخلاق والا اپنے حسن اخلاق کے باعث روزہ دار اور نمازی کے درجے کو پالیتا ہے"۔ (ترمذی)

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

"نرمی جس شے میں بھی ہوتی ہے اُسے زینت عطا کرتی ہے اور جس چیز سے بھی نکال لی جاتی ہے اُسے عیب دار بنا دیتی ہے"۔ (مسلم)

اب ہمارا یہ کیا طرزِ عمل ہے کہ دوسروں کے معاملے میں تو اتنی سختی ہو کہ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں بھی ان کے ساتھ جھگڑے کھڑے کر لیے جائیں اور اپنے آپ کے معاملے میں اتنا تساہل کہ خوش خلقی اور نرمی جیسی بڑی بڑی سنّتوں کو بھی نظرانداز کر دیا جائے۔ گزشتہ صفحات میں بہت سی ایسی احادیث بیان کی جا چکی ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبت پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان کی روشنی میں غور کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ ہم کیسے سنّت کے پیرو ہیں کہ دوسروں کو تو چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی سُنّت کے پیرو بنانے کے لیے جھگڑے کھڑے کر لیتے ہیں مگر خود مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبت کا دھیان رکھنے جیسی بڑی سنت کو اس طرح نظرانداز کیے رہتے ہیں گویا وہ سرے سے سنت ہی نہیں۔

Marfat.com

افسوس یہ ہے کہ یہ فقہی جھگڑوں کا مسئلہ تقریباً سارے عالمِ اسلام کا مسئلہ ہے "رودِ کوثر" صفحہ ۱۸۵ پر مصنف نے بیان کیا ہے کہ ان کے کوئی دوست مراکش گئے۔ ایک مسجد میں گئے تو وہاں کے امام نے پوچھا کہ تمہارا "مذہب" کیا ہے۔ انھوں نے ہمارے یہاں کے محاورے کے مطابق مذہب کا مطلب دین سمجھا اور بتایا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس پر امام صاحب نے اپنا سوال پھر دہرایا کیونکہ مذہب سے ان کی مُراد فقہی مسلک تھا۔ اس پر ان صاحب نے بتایا کہ میں حنفی ہوں۔ وہ بتاتے ہیں کہ میرے حنفی ہونے کا سن کر وہ امام صاحب اتنے مایوس ہوئے کہ شاید میرے یہودی ہونے پر بھی اتنا مایوس نہ ہوتے۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ اُن امام صاحب کا معاملہ مایوس ہونے تک ہی رہا ورنہ ہمارے یہاں تو ایک دوسرے کو "بدعتی" اور "مشرک" تک کے خطابات سے نواز دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اُمتِ مسلمہ کے ذمّے یہ فریضہ لگایا تھا کہ خدا کی مخلوق کو خدا کا پیغام پہنچائیں اور خدا کے بندوں کو خدا کے دین کے اندر لانے کی کوشش کریں مگر اس بے اتفاقی نے اب یہ صورت کر دی ہے کہ بے دینوں کو دین کے اندر لانے کے بجائے دینداروں کے مختلف گراہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو دین سے نکالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انسان کی اس مختصر سی زندگی میں آخر وقت ہی کتنا ہے۔ اگر یہ محدود وقت اور محدود قوتیں اپنے دینی بھائیوں کی مذمت کرنے اور انہیں برسرِ ناحق قرار دینے پر ہی صرف ہوتی رہیں تو پھر غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے اور انہیں خدا کی طرف بلانے کے لیے وقت اور قوتیں کہاں سے آئیں گی!

شیعہ سنّی جھگڑے

لفظ شیعہ کا مطلب ہے پارٹی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے باہمی تعلقات درست نہ رہے تو حضرت علیؓ کے حامیوں کو "شیعۂ علیؓ" کہا

Marfat.com

جانے لگا یعنی "علی کی پارٹی" پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا کثرت استعمال کے باعث یہ نام شیعہ ہوکر رہ گیا۔ آغاز میں تو یہ صرف ایک سیاسی مسئلہ تھا کہ حضرت علیؓ کے حامی خلافت کو حضرت علیؓ کا حق سمجھتے تھے اور ان کی شہادت کے بعد ان کی اولاد کو حقدار قرار دیتے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس جماعت میں ایسے لوگ داخل ہوتے گئے جنہوں نے اسے ایک مذہبی فرقہ بنا کر رکھ دیا، یہاں تک کہ شیعہ سنی اپنے نظریات میں ایک دوسرے سے بہت دُور ہو گئے۔

ان شیعہ سنی جھگڑوں نے بھی تاریخ میں ملت اسلامیہ کو شدید ضرر پہنچایا ہے۔ بسا اوقات یہ باہمی بے اتفاقی خوں ریز جنگوں کی شکل اختیار کر گئی اور ایسے شرمناک وقت بھی آئے کہ کسی ایک فرقے نے کسی دوسرے فرقے کو زک پہنچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب چاہے شیعہ سنیوں کو نقصان پہنچائیں یا سنی شیعوں کو نقصان تو انجام کار ملت اسلامیہ ہی کا ہوتا ہے۔

تاتاری حکمران ہلاکو خان کا بغداد پر حملہ کر کے اسے تباہ کرنا تاریخ اسلام کی ایک خونچکاں داستان ہے۔ اس کی تہہ میں بھی دوسری خرابیوں کے علاوہ شیعہ سنی جھگڑوں کا ہاتھ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ شاہ معین الدین تاریخ اسلام جلد چہارم میں عباسی حکومت کے خاتمے کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عباسی حکمران مستعصم کی نااہلی اور اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت اس زمانے میں بہت ابتر ہو رہی تھی۔ شیعہ سنیوں اور سنیوں کے مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات اور جنگ و جدال اور شہر کے فتنہ پرست بدمعاشوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا۔ عباسی حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی کہ اس کے مصارف پورے ہونے مشکل ہو گئے۔ مستعصم نے ابن علقمی کے مشورے سے فوج کا ایک حصہ برخاست کر دیا اور باقی فوج اور

Marfat.com

عمالِ حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں، اہل حرفہ اور کاشتکاروں پر پھیلا دیئے گئے، اس سے شورش اور بڑھ گئی۔ شیعہ سنیوں کے اختلافات میں شیعوں نے ابن علقمی کے بل پر سنیوں پر زیادتی شروع کر دی۔ گو ابن علقمی مستعصم پر حاوی تھا۔ مگر مستعصم کو شیعوں کی زیادتی ناگوار گزری۔ اور اس نے اپنے لڑکے ابو بکر اور امیر رکن الدین کو بھیج کر کرخ کا محلہ جس میں شیعہ آباد تھے لٹوا لیا۔ ابن علقمی پہلے سے خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا۔ اس واقعے کے بعد اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور عباسی فوج کے باقی حصے کو بھی مستعصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کرا دیا کہ اس سے جو روپیہ بچے گا وہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں کام آئے گا۔ فوج برخاست کرانے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔"

آگے شاہ معین الدین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

خلافت بغداد کو مسلمانوں کی دینی حکومت کی حیثیت حاصل تھی اور ان کو اس کے ساتھ دینی عقیدت تھی۔ اس پر ہاتھ ڈالنے سے دنیائے اسلام کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس کے علاوہ خلافت بغداد کے مذہبی تقدس کی وجہ سے خود ہلاکو خان کو خطرہ تھا کہ اس کو چھیڑنے سے مبادا کوئی مصیبت نازل ہو جائے۔ لیکن ابن علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ اس نے ہلاکو کی ہمت بندھائی اور ذوالحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کر دی۔ تھوڑی بہت فوج جو رہ گئی تھی بے جگری سے لڑی مگر ہلاکو کی فوجوں کا مقابلہ نہ کیا جا سکا اور اس نے بغداد فتح کر لیا۔ اس کے بعد وحشی تاتاری کئی دن تک بغداد میں قتل عام کرتے رہے عورتوں اور بچوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ آبادی ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے

Marfat.com

بغداد کو لوٹتے رہے۔

صرف حملہ کرادینے سے ابن علقمی کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ اس نے ہلاکو خان سے اپنی جان بخشی کرائی اور مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علمار فقہا، مدرسین اور بڑے بڑے لوگوں کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مگر یہ سب لوگ ایک ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ اور مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کر دیا گیا۔ اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا گیا۔

خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزی حکومت تھی۔ اس کی تباہی سے سارے عالم اسلام میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی۔ شعراء نے بڑے پرسوز مرثیے لکھے۔ ان میں ایک شاعر تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور ہے جس کے کچھ اشعار کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔ سارے احباب تو رخصت ہو گئے، تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو"

"اے زورار کی زیارت کرنے والو اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا۔"

خلافت کے تاج اور اس مرغزار کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل مٹا دیا۔ کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو تاتاریوں نے جبر و ظلم سے قید کر لیا ہے جو پردہ در پردہ رہتی تھیں۔

اور بدریہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آ گئے اور جا کر اس کا کوئی ماہ کامل واپس نہیں آیا۔

اور کتنے ذخیرے لوٹ مار میں بٹ گئے اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔

Marfat.com

اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیئے گئے۔"

غور کرنا چاہیئے کہ جب ان پردہ در پردہ رہنے والی خواتین کو جبر و ظلم سے قید کیا جا رہا تھا، اور جب بدر یہ کے ماہ کامل گہنا رہے تھے، اور جب ذخیرے لوٹ مار میں بٹ رہے تھے اور جب گردنوں پر تلواریں چل رہی تھیں اس وقت یہ کس نے دیکھا تھا کہ ان میں شیعہ کون ہے اور سُنّی کون۔ وہ بربادی تو مسلمانوں کی بربادی تھی، شیعوں کی بھی اور سُنیوں کی بھی۔

عبرت کا مقام یہ ہے کہ جن بزرگوں کے نام لے لے کر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے اور خوں ریزیوں تک نوبت آجاتی ہے وہ خود ایک دوسرے کا احترام کرنے والے تھے۔ ذیل کی حدیث بتا رہی ہے کہ پیرووں کے طرز عمل کے بالکل برعکس وہ خود ایک دوسرے کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ (کی میّت) کو تابوت میں رکھ دیا گیا تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ (ان کے لئے) دعائیں کر رہے تھے، اور (ان کی) تعریف کر رہے تھے اور ان پر نماز پڑھ رہے تھے قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جاتا اور میں بھی انہیں لوگوں میں تھا۔ پھر کسی شخص نے پیچھے سے میرا مونڈھا پکڑا تو میں ڈر گیا۔ میں اس کی طرف مُڑا، دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا کہ (اے امیرالمومنین) آپ نے کوئی ایسا شخص پیچھے نہیں چھوڑا جس کے بارے میں میری یہ خواہش کہ میں اس جیسے اعمال لے کر خدا سے ملاقات کروں اتنی ہو جتنی آپ کے بارے میں ہے اور خدا کی قسم میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کرے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

Marfat.com

اکثر فرماتے سنتا تھا کہ "میں آیا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ آئے" اور "میں داخل ہوا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے" اور "میں نکلا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ نکلے" اس لیے میں امید رکھتا ہوں یا (یوں فرمایا کہ) میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں کے ساتھ کرے گا۔ (مسلم)

یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ ان بزرگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کتنی عزت تھی، لہٰذا پیروں میں سے جو آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ملت کو کمزور کرتے ہیں وہ بظاہر تو ان کی محبت کا دم بھرتے مگر درحقیقت ان کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں۔ دیانت داری سے کسی معاملے میں باہم تھوڑا بہت اختلاف ہو جانا ایک عام بات ہے مگر اس اختلاف کو اتنی ہوا دینا اور اس کے معاملے میں اتنی شدت اختیار کرنا کہ وہ ملت کے اتحاد کو ضرر پہنچائے سخت ناپسندیدہ امر ہے۔

اصلاحی تنظیمیں :

باہمی بے اتفاقی کی ایک تیسری شکل یہ ہے کہ اصلاح احوال کے لیے جو درس گاہیں کھولی جاتی ہیں یا جماعتیں بنائی جاتی ہیں یا تحریکیں چلائی جاتی ہیں وہ خود بے اتفاقی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس بگاڑ کے زمانے میں بھی ایسے مخلص، نیک نیت اور دردمند دل رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو پوری پوری زندگی خدمت دین کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ اپنے اپنے ذوق اور صلاحیتوں کے مطابق بعض لوگ تو درسگاہیں کھول کر خدمت دین کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بعض کتابیں لکھتے ہیں اور اخبارات و رسائل جاری کرتے ہیں، بعض عوام کے مجمعوں میں تقاریر اور وعظ و نصیحت کرتے ہیں، بعض جماعتیں بناتے ہیں، بعض تحریکیں چلاتے ہیں اور یہ سب لوگ اپنے نیک مقصد کی راہ میں آنے والی مشکلات کا پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے

Marfat.com

جد وجہد جاری رکھتے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ان میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ساری نیک نیتی اور بے نفسی کے باوجود اسلامی اخوت کے تقاضوں کا دھیان نہیں رکھتے اور معمولی معمولی اور حقیر اختلافات کے باعث خود ایک دوسرے ہی سے الجھنا شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مشقت تو بہت ہوتی ہے مگر اس مشقت کے مقابلے میں نتائج بہت کم نکلتے ہیں۔ پھر معاملہ اتنا ہی نہیں رہتا کہ ان درس گاہوں، جماعتوں اور تحریکوں میں باہم بے اتفاقی ہوتی ہے بلکہ ہر گروہ کے اندر بھی گروہ بن جاتے ہیں۔ جو باہم اختلاف کر کر کے اس درس گاہ یا جماعت یا تحریک کے کام میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ بھی ایک راز ہی ہے کہ جن نیک نیت لوگوں نے اپنی زندگی کا نصب العین ہی یہی قرار دے رکھا ہوتا ہے کہ دین کی خدمت کریں، اور جو اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں بھی دیتے رہتے ہیں، اور جن کا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن اور حدیث ہوتے ہیں وہ آخر اتنی صاف اور سیدھی سی حقیقت کو کیوں نہیں دیکھ سکتے کہ ان کا باہم ایک دوسرے کی مخالفت کرنا اسی دین کو ضرر پہنچا رہا ہے جس کی سربلندی کے لئے انہوں نے زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ جن اصلاحی تحریکوں کا کسی خاص مذہبی فرقے یا فقہی مسلک سے تعلق ہوتا ہے ان کا ایک دوسری کی مخالفت کرنا تو پھر بھی کچھ سمجھ میں آجاتا ہے (اگرچہ یہ مخالفت بھی اسلامی جذبۂ اخوت کی کمی اور تنگ نظری کا نتیجہ ہوتی ہے) لیکن وہ تحریکیں جن میں اختلافات کی یہ بنیادیں بھی موجود نہیں ہوتیں۔ آخر وہ ایک دوسری کے ساتھ مل کر کیوں نہیں چل سکتیں، یا کم از کم ایک دوسری کی مخالفت کرنے ہی سے کیوں پرہیز نہیں کرتیں۔

یہ دیکھ کر دل دکھ جاتا ہے کہ جو فرد یا گروہ دین کی خدمت کرنے کے لئے جو طریق اختیار کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ بس یہی طریقہ درست ہے، باقی لوگوں نے

Marfat.com

جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں، وہ سب بے فائدہ ہیں۔ مثال کے طور پر خدمت دین کے لئے جو جماعتیں قائم یا تحریکیں جاری کی جاتی ہیں وہ بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو اپنی دوسری سرگرمیوں کے ساتھ سیاست میں بھی حصہ لیتی ہیں اور دوسرے وہ جو سیاست میں حصہ نہیں لیتیں صرف اپنے مخصوص تعمیری اور اصلاحی کام ہی کرتی ہیں۔ اب جو جماعتیں یا تحریکیں سیاست میں حصہ نہیں لیتیں وہ حصہ لینے والوں پر اعتراض کرتی ہیں کہ یہ لوگ عہدوں کے بھوکے ہیں اور ذاتی مفاد کی خاطر سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ سیاست دین کا ایک لازمی حصہ ہے اور سیاسی طاقت کے بغیر پورے دین کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف سیاست میں حصہ لینے والے نہ لینے والوں پر معترض ہوتے ہیں کہ یہ لوگ دین کو اس کی مکمل شکل میں پیش نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر کوئی گروہ یہ ایمان تو رکھتا ہو کہ سیاست دین کا ایک لازمی حصہ ہے۔ مگر یہ سمجھتے ہوئے کہ سیاست میں فی الحال حصہ نہ لے کر ہم مسلمانوں کی دینی تربیت کے لئے زیادہ وقت نکال سکیں گے، سیاست میں حصہ نہ لیتا ہو تو اس پر اتنا شدید اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ووٹ دینے کا حق تو بہرحال ان کو بھی حاصل ہے۔ اگر سیاست میں حصہ لینے والوں اور نہ لینے والوں کے درمیان محبت اور اخوت کا رشتہ قائم رہے گا تو انتخابات میں یا جہاں کہیں بھی عوام کی رائے لینے کی ضرورت ہو گی ان میں سیاست میں حصہ نہ لینے والوں کی آراء کا وزن بھی حصہ لینے والوں ہی کے پلڑے میں پڑے گا۔ یہ بہتر ہے کہ بجائے اس کے ایک دوسرے کے دلوں کو زخمی کر کے اس وزن کو کھو یا جائے۔

ایسے ہی جو لوگ مدرسے کھول کر یا تصنیف و تالیف کے ذریعے دین کی خدمت کر رہے ہیں وہ ان لوگوں پر معترض ہوتے ہیں جو عوام سے رابطہ قائم کر کے تقاریر اور وعظ و نصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں۔ اوّل الذکر کا خیال ہے

Marfat.com

کہ آخر الذکر تعمیری کام نہیں کرتے ۔ لہٰذا ہم جو ٹھوس تعمیری کام کر رہے ہیں صرف ہمیں دین کے خدمت گزار ہیں ۔ حالانکہ ٹھوس تعمیری کاموں کے نتائج دیر سے نکلا کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ پھیلتے ہیں ۔ اس لئے ان کے ساتھ رائے عامہ کو ہموار کرنے والی سرگرمیاں بھی ضروری ہوتی ہیں ۔ ادھر رائے عامہ کو ہموار کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ کام درحقیقت وہی ہے جو ہم کر رہے ہیں ۔ مدرسوں میں جا کر پڑھنے والے اور کتابوں کا مطالعہ کرنے والے آخر ملک میں ہیں کتنے ۔ جب تک ان کی کوششوں کے نتائج نکلیں گے حالات قابو سے باہر ہو چکے ہونگے ۔ حالانکہ رائے عامہ کو ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ ٹھوس تعمیری کام کرنے بھی از حد ضروری ہیں ۔ ورنہ رائے عامہ اسلام کے حق میں ہموار ہو بھی جائے تو بھی عوام اپنی دینی جہالت کے باعث اسلام پر چل نہیں سکیں گے ۔

سوچا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ملت کی سربلندی کے لئے یہ سبھی کام ضروری ہیں ۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس سے لاپرواہی برتی جا سکے ۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہر کام کرنے والا اگر وہ اپنے کام کے علاوہ دوسروں کے کیے جانے والے کاموں کی اہمیت کو بھی سمجھے اور ان کی قدر دانی کرے ۔ کیونکہ کام تو خدا کے فضل سے سبھی ہو رہے ہیں ۔ مگر نتائج خاطر خواہ نہیں نکل رہے جس کی ایک وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ کام کرنے والوں میں نہ صرف یہ کہ باہم تعاون نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے پر اعتراض کرنے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے پر بھی تُلے رہتے ہیں ۔

ایک مجلس میں دین کی دو خدمت گزار خواتین کو دیکھا گیا جو مختلف تحریکوں سے وابستہ تھیں اور اپنی اپنی جگہ نہایت مفید کام سرانجام دے رہی تھیں ۔

Marfat.com

مگر وہ ایک دوسری کے ساتھ صرف اس لئے الجھ رہی تھیں کہ ہر ایک کو یقین تھا کہ اہم کام وہ ہے جو ہیں کر رہی ہوں تو آخر دوسری اپنا کام کئے جانے کی بجائے میرے کام میں مددگار کیوں نہیں ہو رہی۔ حالانکہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اہم کام کر رہی تھیں۔ مگر گھر دار اور صاحب اولاد ہونے کے باعث دونوں میں سے کسی کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ اپنا کام کرنے کے علاوہ دوسری کے کام میں بھی اُسے اتنی مدد دے سکے جو اسے مطمئن کر دے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسری کے کام کی افادیت کی قدر کرتیں، اور ایک دوسری کی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے آپس میں محبت اور اخوّت کو مضبوط رکھنے کی فکر کرتیں، وہ ایک دوسری سے ناراض ہو کر باہمی فضا خراب کر رہی تھیں۔ حالانکہ اگر باہمی تعلقات درست رکھنے کی طرف دھیان دیا جاتا تو مستقبل میں وہ بسا اوقات ایک دوسری کی مددگار ہو سکتی تھیں۔ زیادہ دردناک بات یہ ہے کہ بعض اوقات دین کی ان خدمت گزار تنظیموں کے مابین اختلاف کی کوئی ذرا سی وجہ بھی نہیں ہوتی۔ بس اختلاف برائے اختلاف والی بات ہی ہوتی ہے۔ ایک تنظیم دوسری تنظیم سے محض اس لئے ناراض ہو جاتی ہے کہ اس نے زیادہ اہمیت کیوں حاصل کر لی۔ یا یہ کہ وہ ہماری اہمیت کو تسلیم کیوں نہیں کرتی۔ بعض اوقات تو یہ انتہا بھی دیکھی گئی ہے کہ دین کا کوئی خدمت گزار کسی اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے خدمت گزار کے مقابلے میں اپنی ذات کی تعریف شروع کر دیتا ہے کہ میں نے اتنی اور اتنی خدمت کی اور فلاں شخص یا فلاں گروہ کی خدمات میری خدمات کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ ایسے اوقات میں یہ لوگ بالکل بھول جاتے ہیں کہ خدا اور خدا کے رسولؐ نے خود پسندی، غرور اور تکبّر کو کس درجہ ناپسند فرمایا ہے اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ غرور یہ ہے کہ اپنی دینداری یا خدمت دین پہ غرور کیا جائے۔

Marfat.com

ان لوگوں کو یہ خوف بھی نہیں آتا کہ کہیں ہمارا اپنی خدمات کا اشتہار دینا ان خدمات کے اجر ہی کو نہ ختم کر دے۔

اگرچہ عام لوگوں میں بھی بے شمار ایسے ہوتے ہیں جو خواہ مخواہ دوسروں کے مخالف ہو جاتے ہیں اور دوسروں سے تعلقات خراب کر لیتے ہیں مگر جن لوگوں نے خدمت دین کو نصب العین بنا رکھا ہو ان کا یوں باہم اختلاف برائے اختلاف کا طریقہ اختیار کر لینا از حد تکلیف دہ اور المناک ہونے کے علاوہ شرمناک بھی ہے کیونکہ ان کی یہ باہمی بے اتفاقی دین کی بدنامی کا باعث بنتی ہے۔ تقریبًا ہر مسلمان ملک میں وہ لوگ بکثرت موجود ہیں جو مغربی تہذیب کے زیر اثر یا اپنی بڑھتی ہوئی دنیا پرستی کے باعث دین کی مخالفت پر تلے رہتے ہیں۔ جب یہ دین پسند افراد اور دین کے نام پر قائم کی ہوئی تنظیمیں اپنے باہمی لڑائی جھگڑوں کے باعث انہیں اپنے اوپر ہنسنے کا موقع بہم پہنچاتی ہیں اور ان کے ہاتھ مضبوط کرتی ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے اور دل غم سے چور ہو جاتا ہے۔

عمومًا ہر گروہ یہی کہتا ہے کہ ہم تو اتفاق کرنا چاہتے ہیں مگر دوسرے لوگ مخالفت پر تلے رہتے ہیں۔ ان دعووں میں بھی عمومًا پوری صداقت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو تنظیمیں اپنے آپ کو وسیع النظر سمجھتی ہیں ان میں بھی اتنی برداشت نہیں ہوتی کہ حوصلے اور صبر سے دوسروں کے اعتراضات کو سنیں اور باہمی اتفاق و محبت کو قائم رکھنے کے لئے دوستی کا ہاتھ آگے بڑھائے رکھیں۔ ان اصلاحی تنظیموں نے اپنے اپنے دستور میں بہت کچھ رکھا ہوا ہے مگر ان میں اسلامی اخوت کو وہ اصل مقام حاصل نہیں ہوتا جو اسلام نے اسے دیا ہوا ہے۔ ایسے ہی دینی اور اصلاحی مدارس میں طلبہ اور طالبات کو دینی تربیت دیتے وقت سبق پر پورا زور نہیں دیا جاتا کہ مسلمان ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسر

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ حتی الامکان ہمدردی، محبت اور خیر خواہی رکھتے ہوئے زندگی گزاری جائے۔

کاش کہ ہم لوگوں میں اتنی سمجھ بوجھ ہوتی کہ اہم اور غیر اہم اور اصولی اور فروعی میں فرق کر سکتے اور اسلام کو اس ضرر سے بچا لیتے جو اسے ہماری باہمی بے اتفاقی کے ہاتھوں پہنچ رہا ہے۔ دین کی خدمت کرتے ہوئے بھی ہم جس طرح باہمی اختلافات کو ہوا دیتے رہتے ہیں اس کے پیش نظر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ہماری دینی تنظیموں کی خدمات سے دین کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ زیادہ ہے یا وہ نقصان زیادہ ہے جو ہمارے باہمی اختلافات اسے پہنچا رہے ہیں۔

حضورؐ کے ارشادات:

اب ذیل میں حضورؐ کے وہ ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جو آپؐ نے مسلمانوں کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لایعنی اختلافات کرنے کی ممانعت کے بارے میں فرمائے ہیں۔

حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپؐ اس آیت کو اور طرح سے پڑھ رہے تھے۔ اس پر میں اس شخص کو لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ کو بتایا کہ آپؐ تو اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں لہٰذا میں بھی آپؐ ہی کی طرح پڑھتا ہوں مگر یہ شخص دوسری طرح پڑھتا ہے) اس پر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پہ ناگواری کا اثر محسوس کیا (گویا آپؐ نے میری اس بات کو پسند نہ فرمایا) اور آپؐ فرمانے لگے کہ تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو اور (نصیحت فرمائی کہ) آپس میں اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ جو تم سے

Marfat.com

پہلے تھے۔ انہوں نے باہم اختلاف کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاک ہو گئے۔

(بخاری)

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے اختلاف کر کے اور اس اختلاف کو شدت کا رنگ دے کر ملت میں بے اتفاقی کا بیج بو یا جائے۔ اگر کسی معاملے میں حضور نے ایک سے زیادہ طریقے اختیار فرمائے تو سب درست تھے۔ جس نے جو طریقہ اختیار کر لیا اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی اگر آپؐ نے کسی معاملے میں ایک سے زیادہ طریقے اختیار کرنے کو روا رکھا تو ان میں سے کسی ایک طریقے پر جم جانا اور دوسرا طریقہ اختیار کرنے والے پر نکتہ چینی کرنا ملت میں پھوٹ ڈالنے کی بنیاد رکھنا ہے۔ ایسے ہی اگر حضورؐ نے کسی معاملے میں رخصت سے کام لینے کو جائز قرار دیا ہو تو رخصت سے کام لینے والوں پر بے جا اعتراض کرنا اور اپنی پرہیز گاری جتانا نا روا طرز عمل ہے۔ ملت کی باہمی بے اتفاقی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے کہ لوگوں نے چھوٹے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے سے الجھ الجھ کر اور ایک دوسرے کو غلط قرار دے کر ملت میں ان گنت فرقے پیدا کر دیئے ہیں جو غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے کو اتنا ضروری خیال نہیں کرتے جتنا ضروری اس بات کو سمجھتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو بدعتی اور دین سے ناواقف ثابت کریں۔ آخر میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جو تم سے پہلے تھے۔ انہوں نے باہم اختلاف کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاک ہو گئے۔" تو اختلافات کے باعث ہلاکت اس طرح آتی ہے کہ اختلافات بے اتفاقی پیدا کرتے ہیں۔ بے اتفاقی کمزوری کا ذریعہ بنتی ہے اور کمزوری کے باعث دشمن غالب آ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہی مضمون ذیل کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں صبح سویرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت کے بارے میں باہم اختلاف کر رہے تھے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور آپؐ کے چہرہ مبارک پر غصے کے آثار تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے والے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ (اللہ کی) کتاب کے بارے میں باہم اختلاف کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان کا تخت سمندر پر ہوتا ہے۔ وہ (وہاں بیٹھ کر) اپنے دستے روانہ کرتا ہے اور وہ لوگوں میں فتنے پیدا کرتے ہیں۔ شیطان کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انداز ہو۔ (مسلم)

یعنی انسانوں کے درمیان فتنے پیدا کرنے والی اصل ہستی شیطان ہے۔ پھر جنوں اور انسانوں میں سے جو جو اس کے کہنے میں آکر انسانوں کے درمیان فتنے پیدا کرتے ہیں وہ دراصل شیطان ہی کے کارندے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو جتنے زیادہ فتنے پیدا کرے اتنا ہی وہ شیطان کے نزدیک معزز ہوتا ہے اور جو شیطان کے نزدیک معزز ہوتا ہے، ظاہر ہے وہ خدا کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ شیطان ازل سے انسان کا دشمن ہے۔ وہ اس بات کو نہیں بھولا کہ انسان ذریعہ بنا تھا اس کے جنت سے نکالے جانے کا۔ اگر انسان ایسا نادان ہے کہ اس ازلی دشمن کے بہکاوے میں آکر دنیا میں بھی انسانی معاشرے میں فتنے پیدا کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کرتا ہے اور آخرت کی بہشت کو بھی ہاتھوں سے کھوتا ہے، اور یہی شیطان کا مقصود ہے کہ انسان اس دنیا میں بھی دکھی رہے اور آخرت میں بھی عذاب کا شکار ہو۔ بعض انسانوں میں فتنے پیدا کرنے کا اتنا ذوق ہوتا ہے کہ جب تک

Marfat.com

دوانسانوں کو باہم لڑانے میں انہیں تسلی نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو یاد کر لینا چاہیئے کہ وہ کس دشمن کے کہنے میں آکر اپنے آپ کے ساتھ اتنی بڑی دشمنی کر رہے ہیں ـــــ

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بال کی کھال نکالنے والے ہلاک ہوئے یہ بات آپؐ نے تین دفعہ فرمائی۔ (مسلم)

دین کے معاملے میں بہت زیادہ موشگافیاں کرنی، سوال در سوال کرتے جانا اور بال کی کھال کھینچنا سخت ناپسندیدہ بات ہے اس سے چھوٹے چھوٹے مسائل پر فرقے بننے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یہ فرقے پھر آپس میں لاحاصل بحثیں کر کرکے اختلافات کو بڑھاتے اور ملت کو ٹکڑوں میں بانٹ کر بے اتفاقی پیدا کرتے ہیں۔ دین کو سیدھے سادھے طریقے سے لینا چاہیئے اور دین کے احکام پر عمل کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جن لوگوں کے دماغ میں کجی ہوتی ہے وہ عمل کی طرف آنے کی بجائے اپنی قوت اور وقت موشگافیوں پر ضائع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ہدایت کے متلاشی ہوتے ہیں وہ دین کے احکام کو سمجھ کر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے کی فکر کرتے ہیں۔ اوّل الذکر گروہ کی سرگرمیوں کا نتیجہ بحث و جدال اور آخرالذکر کی کوششوں کا مآل اتحاد ملت ہوتا ہے۔

تکفیر پر تنبیہہ :

کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر بھی آپس میں اختلاف ہو جانے پر بلا تکلف دوسروں کو "بدعتی"، "منافق"، بلکہ "کافر" تک کے خطاب دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ذیل کی احادیث واضح کر رہی ہیں کہ یہ حرکت سخت ناپسندیدہ ہے اور اگر کوئی

Marfat.com

شخص کسی ایسے مسلمان کو کافر کہے جس نے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو تو پھر یہی خطاب کافر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو "اے کافر" کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے ایک (ضرور) اس کا مستحق ہو گیا۔ (بخاری)

حضرت ابن عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو "اے کافر" کہا تو کفر کا رجوع دونوں میں سے ایک کی جانب ضرور ہوا۔ اگر تو وہ (جسے کافر کہا گیا تھا) ویسا ہی ہے جیسا اس (کہنے والے) نے کہا (تو خیر) ورنہ وہ (کفر) کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا (اور ایک مسلمان پر کفر کا جھوٹا الزام لگانے کے باعث وہ خود کفر کا مستحق ہو جائے گا)۔ (مسلم)

محمود بن ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عتبان رضؓ بن مالک جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انصار صحابہ میں سے تھے، جو جنگ بدر میں شریک ہوئے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری بینائی زائل ہو گئی ہے (یا کمزور ہو گئی ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ پھر جب بارشیں ہو رہی ہوتی ہیں تو میرے اور ان کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے اور میں ان کی مسجد میں نہیں جا سکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں۔ پس یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو نماز کی جگہ بنا لوں۔ حضور نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں ایسے کروں گا۔ حضرت عتبان رضؓ بیان کرتے ہیں کہ دوسرے دن صبح جب آفتاب بلند ہو چکا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

Marfat.com

ابو بکرؓ تشریف لائے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے آپؐ کو اجازت دی آپؐ (باہر) بیٹھے نہیں یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے۔ پھر مجھے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ کو پسند کرتے ہو۔ جہاں میں نماز پڑھ دوں۔ میں نے گھر کی ایک جانب اشارہ کیا۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے لئے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر کہی۔ ہم نے صفیں باندھ لیں، پھر آپؐ نے دو رکعتیں ادا کیں پھر سلام پھیرا۔ اور ہم نے آپؐ کو ایک کھانا خزیرہ کھانے کے لئے روک لیا جو ہم نے تیار کیا ہوا تھا۔ گھر میں کثیر تعداد میں محلے کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخشن کہاں ہے۔ حاضرین میں سے کوئی بولا کہ وہ منافق ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں رکھتا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یوں) نہ کہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہے اور اس سے اس کی مراد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم اس کا رخ اور خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور یہ کہنے سے اس کا مقصد خدا کی رضا حاصل کرنا تھا" اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔ (بخاری)

حدیث واضح کر رہی ہے کہ حضورؐ نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو "منافق" کہنے سے بھی روکا۔ کجا یہ کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہہ دیا جائے۔

مصلحین کا طرز عمل:

حضورؐ کے ارشادات کے بعد اب درد مند دل اور صحیح اسلامی روح رکھنے

Marfat.com

والے اسلاف کے کچھ واقعات اور مقولے بھی پیش کئے جاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بزرگ مسلمانوں کی باہمی محبت اور اتفاق کو کن نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ فراخ دل علماء کا طرزِ عمل یہ ہوتا تھا کہ اگر علماء کی اکثریت کسی ایک عالم کی رائے کو نہ مانتی تو یا تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتا یا پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی فراخدلی کے ساتھ اکثریت کا ساتھ دیتا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کے جو حکمران ہوئے ان میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا نام نامی خاص طور پر نمایاں ہے۔ آپ اپنی حبِ دین، پرہیزگاری، دینداری علم و فضل اور لیاقت و فضیلت کے باعث بے انتہا ہر دلعزیز تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے جو فرقے تھے ان میں ایک فرقہ خارجیوں کا بھی تھا جو اپنی شدت پسندی اور بے سمجھی کے لئے مشہور تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ حکمرانوں سے دشمنی رکھتے رہے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ان سے نہایت نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ چند خارجی آپ کی خدمت میں آئے اور آکر مناظرہ شروع کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعض ہم نشینوں نے کہا کہ ذرا بگڑ کر انہیں مرعوب کیجئے لیکن آپ ان کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سب ایک خاص شرط پر راضی ہو کر چلے گئے۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ہم نشین کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ جب تک دوا سے صحت ممکن ہو کسی کو داغنا نہیں چاہیئے۔

آپ کی مراد یہ تھی کہ جب کسی کو نرمی سے راضی کیا جا سکتا ہو تو سختی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس زمانے میں بعض بیماریوں کا علاج یہ ہوتا تھا کہ بیمار کے جسم کے کسی خاص حصّے کو داغا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ داغے جانے کی نسبت دوائی پی لینا زیادہ آسان ہے۔ اب اگر کوئی مرض ایسا ہو کہ دوائی پینے ہی سے آرام آجانا ممکن ہو تو پھر زیادہ سخت علاج کیوں کیا جائے۔ طبع انسانی عموماً محبت نرمی اور شفقت سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ اگر

Marfat.com

اختلاف رکھنے والوں کو ان ہتھیاروں کے ذریعے جیتا جا سکتا ہو تو پھر سختی اور طعن و تشنیع اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہ ہتھیار آزمانے سے تو بلکہ وہ شخص اپنی مخالفت میں اور بھی زیادہ پکا ہو جائے گا۔

امام غزالیؒ نے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی بہت کوشش فرمائی۔ آپ کے عہد میں دو فرقے اَشعریّہ اور حنابلہ گویا ایک دوسرے کی ضد تھے۔ اختلافات کے باعث ان کے درمیان بارہا خون ریزیاں ہو چکی تھی۔ امام غزالیؒ کی اتحاد کی کوششوں کا جو اثر ہوا وہ یہ تھا کہ رفتہ کا اختلاف کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے بہت اختلاف کے سوا یہ دونوں فرقے باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اس کے علاوہ دارالخلافہ بغداد کے شیعہ اور سنیوں میں بھی صلح ہو گئی اور وہ خونریزیاں جن کے باعث بغداد کے محلوں کے محلّے برباد ہو گئے تھے رُک گئیں۔ امام صاحب نے مناظرہ بازی کی اس شکل کی بہت مذمّت فرمائی ہے جس میں حق کو ثابت کرنے کا اتنا خیال نہیں ہوتا جتنا فریق مخالف کو شکست دینے اور اپنے علم کی فوقیت جتانے کا ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"علماء نہایت سخت تعصب ظاہر کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کو حقارت اور توہین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ مخالفوں کے مقابلے میں نرمی ملائمت اور لطف سے کام لیتے اور تنہائی میں خیر خواہی کے طور پر سمجھاتے تو کامیاب ہوتے۔"

افسوس کہ ہم لوگ اسی نکتے کو نہیں سمجھ سکتے کہ اگر کوئی ایسا اختلاف ہے جس کے لئے دوسرے کو سمجھانا ناگزیر معلوم ہوتا ہے تو نرمی، ملائمت اور لطف سے کام لیتے ہوئے تنہائی میں خیر خواہی کے طور پر سمجھانے سے کامیابی کی زیادہ توقع رکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

بہ نسبت اس کے کہ علی الاعلان سختی اور درشتی سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو باہم ملانے کی بہت زیادہ کوشش کرتے رہے۔ آپ نے ایک طرف تو شیعہ اور سنیوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش فرمائی اور دوسری طرف سنیوں کی چاروں فقہوں میں زیادہ سے زیادہ مطابقت پیدا کرنے کی سعی کی۔

جس طرح فقہیں چار ہیں ایسے ہی تصوف کے بھی بہت سے سلسلے رہے ہیں۔ ان میں ایک سلسلہ "نقش بندیہ" کہلاتا تھا۔ اور ایک دوسرا "چشتیہ" جب حضرت شاہ ولی اللہ ؒ محدث دہلوی نے انتقال فرمایا: تو لوگوں نے آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز ؒ کو ان کا جانشین بنانے کی کوشش کی۔ ایسی صورت میں سر پر دستار باندھی جاتی تھی۔ ان دنوں دہلی میں دو بزرگ تھے مولانا فخر ؒ اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں ؒ۔ مولانا فخر ؒ کا تعلق چشتیہ سلسلے سے تھا۔ اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں ؒ کا نقش بندیہ سلسلے سے۔ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا خاندان بھی نقش بندیہ سلسلے سے تعلق رکھتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز ؒ نے دستار باندھنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ جب تک وہ دونوں بزرگ آکر میرے سر پر دستار نہ باندھیں گے میں اسے نہیں باندھوں گا۔ چنانچہ دونوں بزرگ تشریف لائے تو مولانا فخر ؒ نے حضرت مرزا مظہر جانجاناں ؒ سے کہا کہ آپ دستار باندھیں کیونکہ آپ کا اور شاہ عبدالعزیز ؒ کا ایک ہی سلسلے سے تعلق ہے۔ مگر ان بزرگوں کے باہمی احترام اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ حضرت مرزا نے انکار کر دیا۔ اور اصرار کیا کہ نہیں آپ باندھیں۔ آخر کار شاہ عبدالعزیز نے دونوں بزرگوں کے ہاتھوں کو پکڑ کر دستار اپنے سر پر رکھ لی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد بھی شاہ عبدالعزیز ؒ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں نے وفات پائی اور پھر سب لوگ شاہ عبدالعزیز ؒ ہی

Marfat.com

کی طرف رجوع ہو گئے ۔

انیسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے اتحاد کے سلسلے میں نمایاں ترین نام سید جمال الدین افغانی کا نظر آتا ہے ۔ آپ کا تعلق افغانستان سے تھا مگر عموماً آپ اقبال رح کے اس مصرعے سے مطابقت رکھتے تھے کہ

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

آپ ایک جید عالم، ایک زبردست مصلح، ایک ماہر سیاست داں، ایک بلند پایہ صحافی اور ایک سحر بیان مقرر تھے ۔ دنیا کی بہت سی زبانیں جانتے تھے ۔ پاکستان کی زبانوں میں سے انہیں اردو اور پشتو بھی آتی تھی ۔ آپ مسلسل اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں مصروف رہے ۔ آپ کی کوششوں سے عالم اسلام کے اتحاد کا نظریہ ابھرا جو ان کے نام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو گیا جس طرح قائداعظم کے نام کے ساتھ تحریک پاکستان ۔ آپ کو ایران کے شیعہ عوام سے بھی ویسی ہی محبت تھی جیسی مصر، ترکی اور افغانستان کے سنی عوام سے ۔ آپ اتحاد و اتفاق کو اسلام کا بڑا اہم رکن سمجھتے تھے ۔

الاخوان المسلمون کے بانی جناب حسن البنّا شہیدؒ نے اپنے پیروں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے :

"فقہے کے فروعی مسائل میں پایا جانے والا اختلاف رائے دین میں گروہ بندی، باہمی لڑائی جھگڑے اور بغض و کینہ تک پہنچا دینے کا سبب نہ بنے ۔ ہر اجتہاد کرنے والا شخص اپنا بدلہ پائے گا ۔ اللہ کی رضا کے لئے محبت و حقیقت کو پا لینے کی خاطر باہمی تعاون کے سلسلے میں صاف ستھری علمی تحقیق کی اس وقت تک کوئی ممانعت نہیں جب تک یہ سلسلہ کسی مذموم مقصد اور تعصب کا

Marfat.com

سبب نہ بننے لگے"

آپ کا طریقہ تھا کہ اپنے مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے پیروؤں کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش کرتے جس کے بارے میں ان لوگوں کی آرا مختلف ہوتیں اس طرح ان پر یہ واضح کر کے کہ اس مسئلے کے بارے میں تم میں سے کچھ لوگوں کی ایک رائے ہے اور کچھ کی دوسری رائے ہے اور کچھ کی تیسری رائے ہے پھر نہایت دانائی سے انہیں احساس دلاتے کہ اس اختلاف رائے کے باوجود تم لوگوں نے مل کر چلنا ہے اور باہم اتفاق واتحاد قائم رکھنا ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ

"اللہ ہمارا معبود، رسولؐ ہمارے رہنما، قرآن ہمارا مقصود، جہاد ہمارا راستہ، شہادت ہماری آرزو!"

ذیل میں بزرگوں کے کچھ اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن میں بے اتفاقی کی مذمت اور اتحاد و اتفاق کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے:

امام جعفر صادقؒ کے حالات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ مذہبی جھگڑوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ "تم دین کے معاملے میں دشمنی کرنے سے بچو۔ اس لیے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے۔ اور نفاق پیدا کرتی ہے"

امام حجاج بن ارطاۃ فرماتے ہیں: "میں نے کبھی جھگڑا نہیں کیا، کبھی ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں جو جھگڑالو ہوں۔"

امام اوزاعیؒ کا فرمان ہے:

"جب خدا تعالیٰ کو کسی قوم کی بربادی منظور ہوتی ہے تو وہ ان پر جھگڑوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور کام سے باز رکھتا ہے"

جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسنؒ فرماتے ہیں:

لاؤ

Marfat.com

"حق بیان کر دینا چاہیئے ۔نام کسی کا نہیں لینا چاہیئے ۔حق خود ہی باطل کو جلا دیتا ہے ۔"

مراد یہی ہے کہ حق بیان کرتے ہوئے کسی کا نام لے کر اور اسے بر سرِ ناحق قرار دے کر اس کی بے عزتی نہیں کرنی چاہیئے ۔

Marfat.com

اسلامی اخوّت کے محرکات

اسلامی معاشرے میں بے اتفاقی پیدا کرنے والے عوامل کو سمجھ لینے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طرزِ فکر اور افعال و اعمال بھی معلوم ہوں جو باہمی اتفاق کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بسا اوقات انسان کے دل میں ایک چیز کی انتہائی خواہش ہوتی ہے مگر وہ اسے اس لئے حاصل نہیں کر سکتا کہ اُسے حاصل کرنے کے لئے دل، دماغ اور طرزِ عمل میں جو تبدیلی پیدا کرنا ضروری ہوتی ہے اس کی طرف اس کی توجہ نہیں جاتی، یا وہ اُسے اتنی مشکل لگتی ہے کہ وہ اس سے جان بچاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ خواہش بھی کئے جاتا ہے کہ اس مشقت سے گزرے بغیر ہی مجھے میرا مقصود مل جائے۔ حالانکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے اس مشقت ہی سے گزرنا لازمی ہوتا ہے۔ کچھ ایسا ہی حال ہمارا ہے۔ ہم چاہتے یہی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں وہ اتفاق و محبت پیدا ہو جائے جو اُسے قوّت دے اور مسلمانوں کو ان کا صحیح مقام دلائے مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح راستہ اختیار نہیں کرتے۔ فرد کی اصلاح کرنی ہو یا جماعت کی دو چیزوں کی

Marfat.com

ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو ان کی سوچ کو درست کیا جائے اور دوسرے ان کو اچھے اعمال سکھائے جائیں۔ اسلامی اخوت پیدا کرنے کے لئے ان دونوں ہی کی طرف کماحقہٗ توجہ دینی ہوگی۔ اس سلسلے میں سے پہلے جو چیز توجہ کی مستحق ہے وہ

حُبِ دین

ہے۔ جتنی دین سے زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی ان لوگوں کی طرف زیادہ توجہ ہوگی جو اس دین پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ دین کی محبت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اسی کو مرکز بنا کر اس کے گرد جمع ہوا جائے اور صرف اسی کو وہ محور بنایا جائے جس کے گرد مسلمانوں کو اکٹھا کیا جا سکتا ہو۔ سورۃ آل عمران آیات ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے۔ شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے۔"

اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا

Marfat.com

گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے۔
اور دوسری طرف تمام ایمان والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی
کو "مضبوط پکڑنے" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو۔
اسی سے ان کو دلچسپی ہو۔ اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت
کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت
کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات اور
فروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا۔

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے
کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا"۔ اس ... حالت کی طرف اشارہ
ہے جس میں اہل عرب اسلام لانے سے پہلے مبتلا ... سارا علاقہ قبائل میں بٹا ہوا
تھا جو بات بات پر باہم لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ... صبح و شام لوٹ مار اور کشت
و خون ہوتا رہتا۔ مدینے میں "اوس" اور "خزرج" ... رہتے تھے۔ جو سالہا سال
سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے چلے آرہے تھے۔ جس وقت یہ آیات نازل
ہوئیں اہل مدینہ کو مسلمان ہوئے تین چار سال ہی ہوئے تھے۔ اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی
نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ وہ قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے
پیاسے چلے آرہے تھے۔ اب باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے۔ اور یہ قبیلے مکّہ مکرّمہ
سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک
خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

آج بھی اگر نام کے مسلمان بننے کے بجائے اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر، سمجھ کر،
جان کر، اس سے سچی محبت کی جائے اور اسی کو اپنا مرکز بنایا جائے، تو جو برکات
لازماً حاصل ہوں گی۔ ان میں ایک باہمی اتفاق و محبت ہے۔ دین کی محبت دینداروں

Marfat.com

کو باہم جوڑتی ہے۔ ایک ہی نصب العین ہونے کا احساس انسان کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے اور جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "قرآن ایک ہے اور تم (پڑھنے والوں) میں سُرخ بھی ہیں اور سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی ہیں" نہ صرف رنگ بلکہ نسل زبان، علاقہ، ذات، طبقہ غرضیکہ کوئی شے بھی اس میں حارج نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے سوا اگر کسی شے کو مرکز بنایا جائے گا۔ اور مسلمانوں کو اس کی طرف اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائیگی، تو لازماً اختلافات اور جھگڑے پیدا ہوں گے جیسے کہ ذیل کی حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوا[illegible]رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم جو ہدایت پر تھی پھر اس کے بعد گمراہ ہو گئی تو وہ ضرور (باہمی) جھگڑوں میں مبتلا ہو گئی، پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (ذیل کی) آیت پڑھی۔

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝

(یہ مثال وہ تمہارے سامنے محض کج بحثی کے لئے لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ) (ترمذی)

اس حدیث میں جو آیت بیان ہوئی ہے وہ سورۃ الزخرف کی آیت ۵۸ ہے جھگڑالو لوگ کا فرد ں کو کہا گیا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی کا لازمی نتیجہ باہمی جھگڑے اور بے اتفاقی ہے۔ لہٰذا ملّت اسلامیہ میں اتحاد قائم ہونے کا پائیدار ترین ذریعہ یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم اسلام کو مضبوطی سے پکڑیں، اس کے کما حقہٗ وفادار اور چاہنے والے بنیں اور اپنی زندگی کو اس کے احکام کے مطابق ڈھالیں۔ جس تناسب سے لوگ دین کے وفادار اور اس کی تعلیمات پر عامل ہوں گے۔ اسی تناسب سے ان میں اتفاق و محبت زیادہ ہو گی۔ اور جیسے جیسے دین سے دور ہوتے جائیں گے۔ باہمی اختلافات پیدا ہوتے جائیں گے اور جھگڑے عام ہو جائیں گے۔

Marfat.com

"مسلمانوں کو جس رشتے نے آپس میں جوڑا ہے وہ ایمان کا رشتہ ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں ایمان کی اہمیت دوسری سب چیزوں سے بڑھ کر ہو تو لازماً وہ ان سب لوگوں کا خیر خواہ ہو گا جو ایمان کے رشتے سے اس کے بھائی ہیں۔ ان کے لیے بدخواہی اور بغض و نفرت اس کے دل میں اسی وقت جگہ پا سکتی ہے جب ایمان کی قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جائے اور کسی دوسری چیز کو وہ زیادہ اہمیت دینے لگے۔ لہٰذا یہ عین ایمان کا تقاضا ہے کہ ایک مومن کا دل کسی دوسرے مومن کے خلاف نفرت و بغض سے خالی ہو۔ اس معاملے میں بہترین سبق ایک حدیث سے ملتا ہے جو نسائی رح نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین دن مسلسل یہ ہوتا رہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور ہر بار وہ آنے والے شخص انصار میں سے ایک صاحب ہی ہوتے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو رضؓ بن عاص کو جستجو پیدا ہوئی کہ آخر یہ کیا عمل ایسا کرتے ہیں جس کی بناء پر حضورؐ نے ان کے بارے میں بار بار یہ بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ وہ ایک بہانہ کر کے تین روز مسلسل ان کے ہاں جا کر رات گزارتے رہے تاکہ ان کی عبادت کا حال دیکھیں۔ مگر ان کی شب گزاری میں کوئی غیر معمولی چیز انہیں نظر نہ آئی۔ ناچار انہوں نے خود انہیں سے پوچھ لیا کہ بھائی آپ کیا عمل ایسا کرتے ہیں جس کی بناء پر ہم نے حضورؐ سے آپ کے بارے میں یہ عظیم بشارت سنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری عبادت کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ البتہ ایک بات ہے جو شاید اس کا موجب بنی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کپٹ نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اُسے عطا کی ہو اس سے حسد کرتا ہوں۔" (تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴)

کسی اندھیرے کمرے میں اگر سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے وغیرہ پیدا ہو جائیں۔

Marfat.com

تو اس کا اصل علاج یہ ہے کہ کمرے میں روشنی کر دی جائے۔ اندھیرے کو پسند کرنے والی موذی چیزیں خود بخود ہی بھاگ جائیں گی۔ دل اگر دین اور ایمان کی محبت کی روشنی سے منور ہو گا تو گھٹیا چیزوں کی محبت اور بھائیوں کے خلاف حسد بغض، کینہ جیسے حشرات الارض خود بخود ہی نکل جائیں گے۔ انسانی دل خالی نہیں رہ سکتا۔ جب اس میں اعلیٰ وارفع چیزیں نہ ہوں گی تو ذلیل اور رکیک چیزیں آگھسیں گی۔ ان کی راہ روکنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اُسے اعلیٰ وارفع ترین چیز سے بھر دیا جائے۔

ملت کی شیرازہ بندی کے لئے دین کی محبت کتنی ضروری چیز ہے۔ علامہ اقبالؒ اسے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

صالحین اس معاملے میں بہت محتاط ہوتے تھے کہ مسلمانوں کا مرکز دین کے سوا کوئی اور چیز نہ بننے پائے۔ عربوں کے ہاں اپنے اپنے قبیلے پر فخر کرنے کا بہت رواج تھا۔ ایک دفعہ کوئی فوجی مہم درپیش تھی اور فوج ایک جگہ جمع تھی۔ حضرت ابوبکرؓ فوج کا معائنہ کرنے کے لئے نکلے۔ ایک جگہ قبیلہ بنو فزارہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر وہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے انہیں دعا دی اور مرحبا کہا۔ ان کے سرداروں نے عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسولؐ ہم گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بڑا جھنڈا تو قبیلہ بنو عبس کو دیا جا چکا ہے۔ اس پر ایک فزاری کو جوش آگیا اور کہنے لگا کہ ہم بنو عبس سے بہتر ہیں۔ جھنڈا ہمیں ملنا چاہیئے۔ بنو عبس نے سُنا تو وہ بھی قومی عصبیت میں آکر کچھ کہنا

Marfat.com

چاہتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دونوں کو ملامت کر کے خاموش کرا دیا اور قبائلی نسل و غرور میں مبتلا ہونے سے روک دیا۔ یہ اور اس جیسے اور واقعات یہی واضح کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے اس بات کو درست نہیں گردانا جاتا تھا کہ اسلام کے سوا کوئی اور چیز ان کے ہاں مرکزی حیثیت حاصل کر لے۔

سمجھ داری، فراخدلی اور وسیع النظری:

سمجھ داری سے مراد یہ ہے کہ انسان میں اتنی سمجھ بوجھ موجود ہو کہ وہ بنیادی اور فروعی میں امتیاز کر سکے۔ یعنی اسے اتنی سمجھ ہو کہ دین کے وہ اصولی احکام کون سے ہیں جن پر دین کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جن میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ فروعی مسائل کون سے ہیں۔ جن میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مگر اس اختلاف کو ایسی اہمیت حاصل نہیں کہ کوئی ایک یا دوسری رائے رکھنے سے انسان دین سے خارج ہو جائے۔

فراخ دلی یہ ہے کہ ان اختلافات کے باوجود دل میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت، بغض اور کینہ نہ آنے پائے بلکہ دل اس بات کو تسلیم کرتا ہو کہ جیسے مجھے ایک خاص رائے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ ایسے ہی دوسرے کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ دوسری رائے رکھے۔ آراء کے اختلاف کے باوجود ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ہم نے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اکٹھے چلنا ہے۔

وسیع النظری سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو صرف اپنے خاندان کا ایک فرد یا اپنی ذات یا جماعت یا طبقے کا ایک رکن، یا اپنے شہر کا ایک شہری یا اپنے ملک یا صوبے کا ایک باشندہ ہی نہ سمجھے بلکہ اپنے آپ کو اسلام کی عالمگیری برادری کا ایک حصہ بھی سمجھے اور اس برادری کے نفع نقصان اور دکھ سکھ کا اسی طرح

Marfat.com

احساس رکھے جیسے وہ اپنی ذات کے نفع نقصان اور دکھ سکھ کا رکھتا ہے۔

اسلامی اخوّت کو قائم رکھنے کے لئے دین سے محبّت اور جاہلیت سے نفرت ہونے کے علاوہ سمجھ داری، فراخدلی، اور وسیع النظری کی بھی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ایسے تماشے بھی دیکھنے میں آجاتے ہیں کہ ایک فرد یا ایک گروہ کو دین سے تو بے پناہ محبت ہے مگر بے سمجھی کے باعث وہ اس بات کو بھی حبّ دین کا ایک تقاضا سمجھتا ہے کہ جو لوگ فروعی مسائل میں اس سے ذرا سا بھی اختلاف رکھتے ہوں انہیں بے تکلف دین سے خارج قرار دے دے اور اس طرح حبّ دین کو، جو دینداروں کو باہم جوڑنے کا ایک ذریعہ ہے، اسے الٹا بے اتفاقی کا سبب بنالے۔

ابتدائے اسلام میں جو مختلف فرقے وجود میں آئے تھے ان میں ایک خارجیوں کا فرقہ بھی تھا جو اپنی بے سمجھی اور تنگ نظری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کی حُبِّ دین کا یہ حال تھا کہ عبادتیں کر کر کے رنگ سفید پڑ جاتے تھے۔ اور بہادری، شجاعت اور دیانت داری کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ مگر دینی مسائل میں ذرا سا بھی اختلاف رکھنے والوں کو بے تکلّف کافر قرار دے دیتے تھے۔ اور ان کا خون بہانا حلال سمجھ لیتے تھے۔ ان کے ایک فرقے "ازارقہ" نامی کے اصول یہ تھے کہ

جو مسلمان خارجی نہ ہوں اُن کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جاسکتی،

ان کا ذبیحہ ناجائز ہے!

ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے ممنوع ہیں،

وہ کافروں اور بت پرستوں کے درجے میں ہیں۔

اس شدّت پسندی، تنگ نظری اور بے سمجھی کا نتیجہ یہ تھا کہ خارجی خود بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے تھے جن کے آپس میں بھی بہت اختلافات تھے اور جہاں ایک

Marfat.com

طرف وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے وہاں دوسری طرف آپس میں بھی جنگ و جدال کرتے رہتے تھے۔ آخر یہ فرقہ بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔

ہمارا ایمان ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر تھے، قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اسلام خدا کا اپنی مخلوق کی طرف آخری پیغام ہے۔ اب نہ کسی اور نبی نے آنا ہے نہ کسی اور شریعت کی ضرورت ہے کیونکہ اسلام نے انسان کو وہ تمام باتیں بتا دی ہیں جو ایک صحیح زندگی گزارنے کے لیے ضروری تھیں لہٰذا یہ مذہب اب قیامت تک قائم رہے گا۔ ہمیں اپنے اس عقیدے کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے کہ جس دین نے قیامت تک قائم رہنا ہے اور قیامت آنے تک خدا معلوم انسانی زندگی میں کتنے تغیرات اور نشیب و فراز آنے ہیں تو جس دین میں ان تمام تغیرات اور نشیب و فراز سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل موجود ہے اُسے آخر اس طرح رسیوں سے کیسے باندھا جا سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں بھی ساری ملت کی رائے ایک ہی ہو۔ دین کے بنیادی امور کے بارے میں تو کبھی کوئی اختلاف ہوا نہیں ہے۔ باقی رہے ثانوی حیثیت کے فروعی مسائل تو ان میں اختلاف ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کیونکہ ایک مسئلے پہ اگر ایک سے زیادہ آدمی غور کریں۔ تو ان کی آراء میں کچھ نہ کچھ اختلاف پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ دین کو چاہنے والوں میں اتنی سمجھ داری ضرور ہونی چاہیئے کہ ان فروعی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کریں، ایک دوسرے سے محبت رکھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلیں۔ اوپر حضرت عمر بن عبدالعزیز رح، حضرت شاہ ولی اللہ رح، سید جمال الدین افغانی، جناب حسن البناء شہید کا طرزِ عمل بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح انہوں نے خود بھی فراخدلی سے کام لیا اور دوسروں کو بھی فراخدلی کی تلقین فرماتے رہے۔

جب انسانوں کا کوئی گروہ مل کر ایک قوم یا ملّت بنتا ہے۔ تو وہ ان بنیادی

Marfat.com

اصولوں کی بنا پر بنتا ہے جو ان میں مشترک ہوتے ہیں۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس کے تمام افراد اور تمام گروہ چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں بھی ایک ہی رائے رکھتے ہوں۔ اب اگر کوئی قوم سمجھدار اور فراخ دل ہوگی۔ تو بنیادی امور کے اتفاق کو کافی سمجھے گی۔ اور فروعی مسائل میں اختلاف ہوتے کے باوجود باہم مل کر چلے گی۔ لیکن اگر وہ بے سمجھ اور تنگ نظر ہوگی: اور اس کا ہر گروہ یہی چاہے گا کہ دوسرے سب لوگ بھی ہر معاملے میں ٹھیک وہی رائے رکھیں جو میری ہے تو وہ ایسا کر تو سکے گا نہیں بس اس کی ان بے کار کوششوں کا مآل صرف یہی ہوگا کہ قوم میں بے اتفاقی اور جنگ و جدال پیدا ہوگا، وہ پھر کمزوری کو راہ دے گا۔ اور آخر کار نوبت بربادی تک آجائے گی۔

ایسے ہی یہ جو کہا جاتا ہے کہ جذبۂ اخوت پیدا کرنے کے لئے وسیع النظری کی بھی ضرورت ہے تو وہ اس لیے کہ اپنے اپنے محدود حلقے کے اندر ہی گھرے رہنا اور اس سے آگے وسیع و عریض عالم اسلام کے بارے میں نہ سوچنا جذبۂ اخوت کے لئے سخت مضر ہے۔ جب نگاہ ایک محدود حلقے کے اندر ہی رہتی ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی غیر اہم چیزیں ہی اپنے آپ میں الجھائے رکھتی ہیں۔ اور قلب میں وہ وسعت نہیں آتی جو جذبۂ اخوت کو تیز کر سکے۔ اسلام چونکہ ایک عالمگیر تحریک ہے۔ اس لیے جو جذبۂ اخوت اس سے تعلق رکھتا ہے وہ محدود نگاہ رکھنے والوں اور صرف اپنی ہی ذات یا اپنے ہی ملک کے متعلق سوچتے رہنے والے لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک عالمگیر برادری کا رکن سمجھے اور اپنی اس برادری کا ہمدرد و بہی خواہ ہو۔ اگر اسے کوئی ذاتی فائدہ ایسا پہنچ رہا ہو جو اس عالمگیر برادری کے لیے بہ حیثیت مجموعی نقصان دہ ہو تو وہ بلا حیل و حجت اس فائدے کو نظر انداز کر دے اور اگر اس کا کوئی ذاتی نقصان ایسا ہے جس سے اس عالم گیر برادری

Marfat.com

کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو وہ اس ذاتی نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کے لیے تیار رہے۔

یہ نہ سمجھیے کہ اس طرز فکر سے آپ کے غم و فکر بڑھ جائیں گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے آپ کے بے شمار غموں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ انسانی فطرت ہے کہ اگر دل و دماغ کو بڑی بڑی چیزوں کی طرف متوجہ رکھا جائے تو وہ چھوٹی چھوٹی پریشانیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن اگر وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں ہی میں گھرے رہیں تو اس محدود ماحول کے اندر کی معمولی معمولی پریشانیاں اور الجھنیں ہی اہمیت حاصل کر کے بڑی بڑی لگنے لگتی ہیں۔ حالانکہ ان میں بے شمار اتنی غیر اہم ہوتی ہیں کہ اگر توجہ اعلیٰ و ارفع مقاصد کی طرف ہوتی اور نگاہ وسیع ہوتی تو ان سے متاثر ہونے کا کبھی وہم بھی نہ گزرتا۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ لوگوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ زمین میں چلیں پھریں۔

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (پس زمین میں چلو پھرو)

سورۃ آل عمران آیت ۱۳۷ میں ارشاد ہوا ہے:

"پس زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔"

سورۃ النمل آیت ۶۹ میں فرمایا گیا ہے:

"(اے نبیؐ ان سے) کہیے کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔"

سورۃ الروم آیت ۴۲ میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔

"(اے نبیؐ ان سے) کہیے کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ پہلے گزرے ہوئے

Marfat.com

لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔"

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ زمین میں چلنے پھرنے کی ہدایت سیر سپاٹا کروانے کے لئے نہیں دی گئی۔ بلکہ اس لئے دی گئی ہے کہ مٹی ہوئی سرکش اور حق کو جھٹلانے والی قوموں کے کھنڈرات و آثار کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے واضح رہے کہ یہ زمین میں چلنا پھرنا اگر سمجھ داری کے ساتھ اور کھلی آنکھوں سے کیا جائے اور دل اس حُبِّ دین سے معمور ہو جس کا ذکر گزر چکا ہے تو اس سے عبرت کے علاوہ ایک اور چیز بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ نگاہ کی وسعت ہے اگرچہ موجودہ زمانے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ ذرائع ابلاغ بھی بہت زیادہ معلومات بہم پہنچا دیتے ہیں، تاہم حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اثر زیادہ ہی گہرا ہوتا ہے۔

آنکھیں کھول کر، دماغ کو بیدار رکھ کے اور سمجھ داری کے ساتھ زمین میں چلا پھرا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جس قوم کا فریضہ یہ تھا کہ خدا کے بندوں کو خدا کا پیغام پہنچائے اور دوسروں پہ اثر ڈالے وہ اب اثر لینے کے معاملے میں کس طرح حدود کو پھلانگ چکی ہے۔

یہ سیر فی الارض یہ بھی بتاتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ بحیثیت مجموعی اس وقت کن جان لیوا مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔ اور ہر مسلمان ملک کن کن الجھنوں کا شکار ہو رہا ہے۔ جن کے سلجھانے کے لئے ایک ہی سرا ہے مگر اسی سرے کی طرف آنا نہیں مشکل لگ رہا ہے۔

اس سیر فی الارض سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کفر جس جس جگہ بھی ہے اسلام کے ساتھ دشمنی کرنے کے لئے مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ بنا ہوا ہے عیسائیوں اور یہودیوں کی تاریخی دشمنی اب مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے باہمی اتفاق

Marfat.com

سے بدل چکی ہے۔

ویسے اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ زمین میں چلنے پھرنے سے یہ جذبات اور احساسات اسی صورت میں پیدا ہوں گے کہ انسان دین کی پہچان اور محبت کو ہمراہ لے کر اور دل میں اس کی سربلندی کی تڑپ جاگزیں کر کے نگاہ عبرت، دوربینی اور سمجھ داری کے ساتھ چلے پھرے ورنہ اکثر لوگ تو ایسے ہیں کہ سیر فی الارض انہیں دین کی محبت، اس کی سربلندی کی تڑپ اور انجام بینی کی صلاحیت سے اور بھی زیادہ عاری کر دیتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ میں خداؐ و رسولؐ اور دین اسلام کے لئے گہری محبت کا جذبہ اور اتحاد اسلامی کی صحیح روح ملک سے باہر جا کر ہی پیدا ہوئی تھی۔ باہر جانے سے پہلے انہوں نے "ترانۂ ہندی" لکھا جس میں انہوں نے اپنی "ہندوستانیت" پر زور دیا ہوا تھا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

مگر باہر جا کر جب انہیں تمام عالم اسلام کے مسائل کا احساس ہوا اور انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ مسلمانان عالم کے مصائب و آلام کی تہہ میں دین سے دوری ہی کا ہاتھ ہے تو ان کی نگاہ وسیع ہو گئی اس کے بعد انہوں نے ترانۂ ملی لکھا جو علاقائی حد بندیوں سے پاک تھا۔ فرمانے لگا۔

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ظاہر ہے کہ جب سارا جہاں وطن ہے تو پھر ہم وطن بھی ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان سبھی کی بہتری کے لیے سوچنا ہے۔ وسیع النظری سے مراد یہی ہے کہ مسلمان صرف اپنی ذات یا اپنے کنبے یا اپنی برادری یا ایک خاص علاقے کے مسائل ہی میں

Marfat.com

نرا لجھار ہے بلکہ سارے عالم اسلام کے دکھ سکھ کا احساس رکھے۔ اس سے سوچ کا انداز بدلے گا اور سوچ کے انداز کی یہ تبدیلی ایک طرف اسلامی اخوت کو مضبوط کرے گی۔ اور دوسری طرف ان بے شمار پریشانیوں کو بھی ختم کر دے گی جو کوتاہ نظری اور خود غرضی کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اور جو ہوتی تو بالکل چھوٹی ہیں مگر اسی کوتاہ نظری اور خود غرضی کے باعث بہت بڑی بڑی نظر آنے لگتی ہیں۔

جب بھائیوں کا ایک گروہ، لاکھوں کی تعداد میں، ایک عرصۂ دراز سے، گھروں سے بے گھر ہو کر کیمپوں کی زندگی گزار رہا ہو اور آئے دن ظلم و ستم کا نشانہ بنتا رہتا ہو،

اور ایک دوسرا گروہ سالہا سال سے غیر ملکی تسلط کو روکنے کے لئے ان تھک جدوجہد میں مصروف ہو اور شہادت کے جام پہ جام پیے چلا جا رہا ہو،

اور ان کے علاوہ ان گنت دوسرے گروہ کرۂ ارض کے مختلف حصّوں میں دینی جہالت، جاہلی اثرات، اور کہیں غلامی، کہیں مفلسی اور کہیں دولت کی بہتات کے لائے ہوئے فتنوں کا شکار ہو رہے ہوں،

اور مسلمانوں کا قبلۂ اوّل جس کے لئے وہ صدیوں جنگیں کرتے رہے تھے، دشمنانِ دین کے قبضے میں جا چکا ہو،

جب یہ سب کچھ ہو رہا ہو اس وقت میرا صرف اپنے ذاتی یا گروہی یا علاقائی مفادات ہی میں گھر کر رہ جانا بڑا شرمناک فعل ہے، اس سے نہ صرف میری دنیا کی حرص اور خود غرضی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ میری کوتاہ بینی اور جہالت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جب اس درخت کو ضرر پہنچے گا جس کا میں ایک پتہ ہوں تو انجام کار میں بھی زرد ہو کر، خشک ہو کر زمین پہ گر جاؤں گا اور لوگ مجھے پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔

Marfat.com

جب مسلمان کی سوچ میں یہ تبدیلی آجائے تو وہ ثانوی حیثیت کے ان گنت غموں سے نجات پا لیتا ہے۔ علامہ مرحوم نے نماز کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ

یہ ایک سجدہ جو ہے اس قدر گراں تجھ پر
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہی حال اس زندگی کے غموں کا ہے۔ جس عقل مند نے چند بڑے بڑے غم دل کا لیے اسے ان گنت چھوٹے غموں سے نجات مل جاتی ہے!

ویسے بھی یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ زندگی کی بہت سی جان لیوا مصیبتیں اپنی بدعملی ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (یونس ۴۴)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔"

ایسے ہی نگاہ کے وسیع ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نگاہ اس عارضی زندگی ہی میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ بلکہ موت کے بعد آنے والی ابدی زندگی تک بھی پہنچتی ہو۔ ماننے کی حد تک تو ہر مسلمان مانتا ہے کہ موت کے بعد ایک دائمی زندگی ملنے والی ہے جس کا اچھا یا برا ہونا اس دنیوی زندگی کے اعمال پر منحصر ہے۔ لیکن کسی چیز کو ماننے کی حد تک مان لینا ایک بات ہے اور اس کے بارے میں اس طرح عین الیقین حاصل ہو جانا کہ وہ ہر وقت دل کی آنکھوں سے نظر آتی رہے۔ ایک دوسری بات ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ نگاہ کے وسیع ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نگاہ موت کے بعد آنے والی زندگی تک پہنچتی ہو تو مراد یہی عین الیقین

Marfat.com

ہوتا ہے جس کے باعث زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام انسان کے دل میں اس طرح رچ بس جاتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی خواہش جس کا پورا کرنا اس ابدی زندگی میں مضر ثابت ہوتا ہو نہایت آسانی سے چھوڑ دی جاتی ہے۔ اور وہ بڑی سے بڑی مشقت جس نے اُس ابدی زندگی میں مفید ثابت ہونا ہو حتی الامکان اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور جب انسان ابدی زندگی کی کامیابی کا اتنا شائق ہو جائے تو اس کا قدرتی نتیجہ وہ قناعت اور سیر چشمی ہوتا ہے جس کے دل میں پیدا ہو جانے کے باعث انسان کے تعلقات ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف انسانوں سے؛

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ کسی ایسے عمل کی طرف میری رہنمائی فرما دیجئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت رکھے اور لوگ بھی مجھ سے محبت رکھیں۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کر تو اللہ تجھ سے محبت رکھے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے بے رغبت رہ تو لوگ تجھ سے محبت رکھیں گے۔

(ابوداؤد)

دنیا سے بے رغبتی رکھنے سے یہ مراد نہیں کہ انسان دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائے بلکہ دنیا سے بے رغبت ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے مال و دولت اور عہدہ و جاہ کا حریص نہ ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جو انسان اپنی قناعت اور سیر چشمی کے باعث دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈالے گا اور اپنی لیڈری کی دکان چمکانے کے لیے لوگوں میں گروہی اور علاقائی تعصبات نہیں بھڑکائے گا اور آخرت کی ناکامی کے ڈر کے مارے جاہلی عصبیتوں سے پرہیز کرے گا۔ ان کا

Marfat.com

طرزِ عمل اسلامی اخوت کو تقویت پہنچانے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔
ذیل میں کچھ دعاؤں کے ترجمے پیش کئے جا رہے ہیں جن میں دعا کرنے والوں نے تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کی ہوئی ہے :

"اے میرے ربّ بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو (اور) اس کو جو میرے گھر میں ایماندار ہو کر داخل ہو اور تمام مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو۔" (سورۃ نوح)

"اے خدا بخش دے مجھے اور (تمام) مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اور انہیں درست کر دے اور ان کے آپس میں صلح دے، اور ان کے دلوں میں باہم الفت ڈال دے، اور ان کے دلوں میں ایمان اور دانائی ڈال دے۔ اور انہیں اپنے رسولؐ کے دین پر ثابت رکھ، اور انہیں توفیق عطا کر کہ تیری اس نعمت کا شکر ادا کریں جو تو نے ان کو دی اور تیرے اس عہد کو پورا کریں جو تُو نے ان سے لیا اور انہیں غالب کر اپنے دشمن پر اور ان کے دشمن پر۔۔۔۔۔"

"اے ہمارے ربّ، بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مؤمنوں کو جس دن قائم ہو حساب۔"

پھر بہت سی دعائیں ایسی ہیں جن میں ہر دعا کرنے والے نے اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے باقی سب دینی بھائیوں کے لئے بھی دعا کر رہا ہے : مثلاً

"اے خدا ہمیں زیادہ کر اور ہمیں کم نہ کر اور ہمیں آبرو دے اور ہمیں خوار نہ کر، اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ رکھ، اور ہمیں ترجیح دے اور

Marfat.com

دوسروں کو ہم پر ترجیح نہ دے اور ہمیں راضی رکھ اور ہم سے راضی رہ۔"

"اے خدا نہ ہلاک کرنا ہمیں ناگہاں، اور نہ پکڑنا ہمیں اچانک، اور نہ غافل کرنا ہمیں کسی حق سے اور نہ کسی وصیت سے۔"

ان دعاؤں کا مضمون بتا رہا ہے کہ ایمان والے سب لوگ ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں جس کے افراد کی باہمی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کے لئے دین اور دنیا دونوں کی کامیابی اور فلاح کی تمنا رکھتے ہیں!

صلح کرانا:

اسلامی اخوت کو تقویت پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ وہی ہے جس کا سورۃ الحجرات آیت ۹ میں حکم فرمایا گیا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ج

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔"

"یہ نہیں فرمایا کہ جب اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑیں بلکہ فرمایا ہے کہ "اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں" ان الفاظ سے یہ بات خودبخود نکلتی ہے کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول نہیں ہے، اور نہیں ہونا چاہیئے نہ ان سے یہ امر متوقع ہے کہ وہ مومن ہوتے ہوئے آپس میں لڑا کریں گے۔ البتہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس صورت میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ بریں گروہ کے لئے بھی "فِرْقَة" کے بجائے "طَآئِفَة" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں

Marfat.com

"فِئَۃ" بڑے گروہ کے لیے اور "طَائِفَۃ" چھوٹے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ حالت ہے جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں کا مبتلا ہو جانا متوقع نہیں ہونا چاہیئے۔ — (پھر یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ تو) اس حکم کے مخاطب وہ تمام مسلمان ہیں جو ان دونوں (لڑنے والے) گروہوں میں شامل نہ ہوں، اور جن کے لیے ان کے درمیان صلح کی کوشش کرنا ممکن ہو۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کی اپنی ملت کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں اور وہ بیٹھے ان کی لڑائی کا تماشا دیکھتے رہیں۔ بلکہ یہ افسوسناک صورت حال جب بھی پیدا ہو تمام اہل ایمان کو اس پر بے چین ہو جانا چاہیئے، اور ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لیے جس کے بس میں جو کوشش بھی ہو وہ اُسے صرف کر ڈالنی چاہیئے۔ فریقین کو لڑائی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے، انہیں خدا سے ڈرایا جائے، بااثر لوگ فریقین کے ذمہ دار آدمیوں سے جا کر ملیں، نزاع کے اسباب معلوم کریں، اور اپنی حد تک ہر وہ کوشش کریں جس سے ان کے درمیان مصالحت ہو سکتی ہو۔" (تفہیم القرآن جلد ۵)

مندرجہ بالا آیت اور اس کی تشریح و وضاحت سے اس بات کی ہدایت دے رہی ہے کہ بعض مسلمانوں کے باہمی تعلقات خراب ہو جانے کی صورت میں باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ حتی الامکان ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ لڑنے والے مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے سلسلہ میں جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان

Marfat.com

ہو چکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جھگڑا ہو یا ہے دو مسلمان افراد کے درمیان ہو یا دو مسلمان جماعتوں کے درمیان یا دو مسلمان ممالک کے درمیان ان میں مصالحت کرانے کی کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمان معاشرے میں پھوٹ اور اس سے پیدا ہونے والی اذیتیں کم سے کم ہوں۔ واضح رہے کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کسی سے صلح کر لینا تو اپنے اختیار میں ہوتا ہے لیکن دوسروں کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ آپس میں صلح کر لیں ان دوسروں ہی کی مرضی پر منحصر ہے۔ ان کا جی چاہے بات مانیں نہ چاہے نہ مانیں۔ لہٰذا اس کام میں ہاتھ ڈالنے کے لئے بڑے صبر بڑی ثابت قدمی اور بڑی سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے درمیان تلخی پیدا ہو چکی ہوتی ہے ان میں سے ہر فریق، فریق مخالف ہی کو ظالم سمجھتا ہے، اور اپنی زیادتی اسے نظر نہیں آتی۔ ایسی صورت میں انہیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں اور جنہیں وہ زیادتی کرنے والے سمجھتے ہیں ان کی طرف سے دل صاف کر لیں بڑا جان جوکھوں کا کام ہے، کجا یہ کہ انہیں اس بات کی طرف لایا جائے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کریں۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں ایسے بے غرض، بے نفس لوگ موجود ہوں جو محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور کسی مسلمان کنبے یا کسی مسلمان خاندان، یا کسی مسلمان ملک، یا عالم اسلام کو خرابی سے بچانے کے لئے سمجھ بوجھ اور صبر و استقلال سے لڑنے والوں کے باہمی تعلقات درست کرانے کے لئے کوشش کرتے رہیں وہاں انشاء اللہ بے اتفاقی جلد ختم ہو جاتی ہے اور اس کا وقوع بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جہاں لڑنے والے لڑتے رہیں اور دوسرے تماشا دیکھتے رہیں وہاں بے اتفاقی کی آگ دور دور تک پھیل

Marfat.com

جاتی ہے اور باہمی تعلقات کی خرابی دیر تک چلتی رہتی ہے جس سے پھر مزید خرابیاں پیدا ہو کر اذیت کا سامان بنتی رہتی ہیں۔

یہاں ایک اور بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ صلح کرانے سے مراد صرف سمجھا بجھا کر ایک دوسرے سے ملا دینا ہی نہیں بلکہ باہمی بے اتفاقی کی اصل وجوہ معلوم کر کے اسے دور کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہیئے تاکہ صلح پائیدار ثابت ہو۔ کیونکہ اگر فساد کا اصل سبب دور نہ ہوا اور فریقین سمجھانے بجھانے سے صلح کرنے پر آمادہ ہو بھی گئے تو خدشہ ہے کہ جلد ہی دوبارہ اختلافات شروع ہو جائے گا۔ ویسے اختلاف کا سبب معلوم کرنا اور اُسے دور کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوشش اور غور و فکر کے باوجود اختلاف کا اصل سبب معلوم نہ ہو سکے یا اگر معلوم ہو بھی جائے تو اس کا دور کرنا صلح کرانے والوں کے بس میں نہ ہو۔ اگر صورتِ حالات ایسی ہو تو بھی دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو چیز بس میں نہیں اس کے لیے انسان خدا کے حضور میں معذور سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ بس میں ہو وہ کیا جائے۔ اور طرفین کو عفو و درگزر کی فضیلت اور بے اتفاقی کے نقصانات ذہن نشین کرانے کی کوشش جاری رکھی جائے تاکہ وہ اصلاحِ احوال پر آمادہ ہو جائیں۔ پھر عین ممکن ہے کہ اپنی ساری کوششوں کے باوجود صلح کرانے والا فریقین کو صلح کرنے پر آمادہ نہ کر سکے۔ مگر اس سے صلح کرانے والے کی کوشش کی اہمیت اور فضیلت کم نہیں ہوتی۔ کیونکہ جس معاشرے میں اس قسم کے نیک نفس لوگ موجود ہوں جو مسلمانوں کے باہمی بگاڑ کو اتفاق و اتحاد سے بدلنے کی سعی کرتے رہیں وہ معاشرہ انجام کار اس سعی سے فائدہ ضرور اٹھاتا ہے۔ اور یہ مبارک سعی کرنے والے خود اللہ کے ہاں اجر و ثواب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ چاہے ان کی سعی نے فوری طور پر کامیابی حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔

Marfat.com

جب جنگ جمل میں مسلمانوں ہی کی دو فوجیں ایک دوسری کے آمنے سامنے آگئیں تو حضرت کعبؓ بن مسؤر اس خانہ جنگی سے علیحدہ رہنے کے لئے خانہ نشین ہو گئے۔ اور کھانے پینے کا سامان لینے کے لیے ایک سوراخ بنا لیا۔ پھر جب حضرت عائشہؓ نے انہیں ہدایت دی کہ لوگوں کو سمجھا بجھا کر اصلاح و مصالحت کی کوشش کرو تو وہ قرآن لے کر لوگوں کو سمجھانے کے لیئے نکل آئے، جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو حضرت کعبؓ صفوں کے درمیان گھس گئے اور قرآن کھول کر لوگوں کو سمجھانے اور کتاب الٰہی کی طرف بلانے لگے۔ اسی دوران میں جنگ شروع ہو گئی۔ اور آپ صلح کرانے کی کوشش کرتے کرتے شہید ہو گئے!

اس واقعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کعبؓ کو اپنی کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی مگر اس سے ان کی مبارک کوشش کی فضیلت کم نہیں ہوتی۔ اچھی مثالیں اچھائی پھیلا کر رہتی ہیں چاہے اس پھیلاؤ کا آغاز فوری طور پر نظر نہ آئے۔ سید جمال الدین افغانی کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو ان کے ظالم حکمرانوں سے بچانے کے لئے، مسلمان ممالک میں آئینی حکومتیں قائم کروانے کے لئے، مسلمان ممالک کو اہل مغرب کی ریشہ دوانیوں اور غلامی سے نجات دلانے کے لیے اور عالم اسلام کا اتحاد قائم کرنے کے لئے ان تھک کوششیں کی تھیں۔ مگر آپ کی وفات کے بعد بظاہر یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ سب کوششیں رائیگاں ہو گئیں کیونکہ تقریباً ہر مسلمان ملک نے مغربی نظریۂ وطنیت کو اختیار کر لیا جس کے باعث ان کے درمیان دیواریں کھڑی ہو گئیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے غیر ہو گئے اس کے ساتھ ہی ان کے ذہن مغربی تہذیب سے بُری طرح متاثر ہونے لگے۔ اور اس اندھی تقلید کے باعث وہ اپنا ملّی امتیاز کھو بیٹھے اور اخوّت کی جو آگ سیدؒ نے مسلمانوں کے سینوں میں روشن کی تھی بظاہر بجھ گئی اور ملّت اسلامیہ پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔

Marfat.com

تاہم یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ سید جمال الدین افغانی کی کوششیں ناکام رہیں اس لیے کہ عالم اسلام میں سید کی تعلیمات کی روح جاری وساری ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کے نقشے میں کئی نئے اسلامی ممالک ابھر آئے۔ پاکستان قائم ہوا۔ انڈونیشیا نے آزادی حاصل کی۔ اور متعدد عرب اور افریقی ملکوں کو غلامی سے نجات ملی۔ اس کے علاوہ اتحاد اسلامی کے لیے بھی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور مغرب کی اندھی تقلید، جاہلی عصبیتوں اور اندرونی اختلافات کا شکار ہونے کے باوجود ملت اسلامیہ کی راکھ میں وہ چنگاریاں چمک رہی ہیں جن کے متعلق توقع رکھنی چاہیئے کہ انشاءاللہ وہ ایک دن بڑھ کر شعلے بن جائیں گی۔

غرضکہ اللہ تعالیٰ خلوص دل سے کی گئی کوششوں کو رائیگاں جانے نہیں دیتا اس لیے جو لوگ مسلمانوں کے درمیان اختلافات دور کرکے ان میں باہم صلح صفائی کرانے کی کوشش کر رہے ہوں ان کی کوششیں فوری طور پر کامیاب نہ بھی ہوں تو بھی بابرکت ہوتی ہیں اور مسلم معاشرے کو ان سے فائدہ ہی پہنچتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح کرانے والے صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ جن فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جارہی ہو ان میں کوئی ایک یا دونوں صلح کرانے والوں ہی کی نیت پر حملے کرنے شروع کر دیں۔ یا انہیں بھی بے جا طور پر اپنی اسی لڑائی میں گھسیٹ لینے کی کوشش کریں۔ ایسی صورت میں اگر صلح کرانے والے مشتعل ہو گئے تو گویا انہوں نے اپنی راہ میں خود ہی رکاوٹیں پیدا کرلیں۔ صلح کرانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کام کی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھیں۔ اور ان لوگوں کی باتوں کا اثر نہ لیں جن کے دل و دماغ اپنی باہمی بے اتفاقی کے باعث تپ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ صورت حالات کو اس کی اصل اور درست شکل میں دیکھنے اور صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر

Marfat.com

ہیں۔ صلح کرانے والوں کو جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا اور مخلص، صابر اور ثابت قدم رہنے کا ثبوت دینا ہوگا۔

ذیل میں ایک واقعہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے بزرگ صلح رکھنے اور صلح کرانے کو کتنا ضروری سمجھتے تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت خیرات کیا کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت ابن زبیرؓ کا خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ حد مناسب سے بہت زیادہ خیرات کرتی ہیں۔ انہوں نے ان کی خیرات پر تنقید کی تو حضرت عائشہؓ ان سے ناراض ہو گئیں اور عہد کر لیا کہ اب بھانجے سے بات نہیں کروں گی۔ حضرت ابن زبیرؓ اس سے بہت پریشان ہوئے اور خالہ کو منانے کے لئے سفارشیں ڈلوائیں مگر وہ نہ مانیں۔ آخر حضرت ابن زبیرؓ نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی خاندان بنو زہرہ کے دو بزرگوں کو بیچ میں ڈالا اب حضرت عائشہؓ اس خیال سے پریشان تھیں کہ چونکہ میں عہد کر چکی ہوں کہ بھانجے سے نہیں بولوں گی اس لئے اب اگر بولوں گی تو وہ عہد ٹوٹ جائے گا اور یہ بری بات ہے مگر حضرت ابن زبیرؓ اور ان دونوں بزرگوں نے سمجھا بجھا کر اور زور ڈال کر صلح کرا دی۔

یہ واقعہ مندرجہ ذیل حدیث میں بیان ہوا ہے۔

عوف بن مالک بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو بتایا گیا کہ حضرت ابن زبیرؓ نے کسی بیع یا عطیے کے بارے میں جو حضرت عائشہؓ نے کسی کو دیا تھا کہا ہے کہ خدا کی قسم (حضرت) عائشہ کو (اتنا زیادہ خرچ کرنے سے) رک جانا چاہیے۔ ورنہ میں ان پر حجر کر دوں گا۔ (یعنی انہیں اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دوں گا) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا اس نے ایسا کہا ہے لوگوں نے کہا کہ جی ہاں (اس پر) انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے لئے عہد کرتی ہوں کہ (آئندہ) ابن زبیرؓ سے

Marfat.com

کبھی بھی بات نہیں کروں گی ۔ جب یہ جدائی لمبی ہو گئی تو حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت
عائشہؓ تک سفارش پہنچائی لیکن انہوں نے فرمایا کہ نہیں، خدا کی قسم میں ہرگز سفارش
قبول نہیں کروں گی ۔ نہ اپنا عہد توڑوں گی ۔ پھر جب حضرت ابن زبیرؓ کو یہ (صورت
حالات) شاق گزرنے لگی تو انہوں نے حضرت مسوَر بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن
بن اسود بن عبد یغوث سے بات کی ۔ وہ دونوں (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے ننھیالی قبیلے) بنو زُہرہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ان سے کہا کہ
میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے حضرت عائشہؓ کے پاس لے
چلیں کیونکہ ان کے لئے جائز نہیں کہ میرے ساتھ قطع تعلق کرنے کا عہد کرلیں چنانچہ
حضرت مسوَر اور حضرت عبدالرحمٰن اپنی چادریں اوڑھے حضرت ابن زبیرؓ کو ساتھ
لے کر چلے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی ۔ انہوں
نے کہا : السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کیا ہم اندر آجائیں؟ حضرت عائشہؓ
نے فرمایا کہ ہاں آجاؤ ۔ انہوں نے کہا کہ کیا سب کے سب آجائیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ
ہاں سب کے سب آجاؤ اور وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان دونوں کے ساتھ حضرت
ابن زبیرؓ بھی ہیں ۔ پھر جب وہ اندر آگئے (اور حضرت عائشہؓ پردے کے پیچھے
تھیں) تو حضرت ابن زبیرؓ پردے میں گھس گئے اور حضرت عائشہؓ کے گلے لگ
گئے اور انہیں خدا کا واسطہ دینے اور رونے لگے ۔ اور (ساتھ ہی) حضرت مسوَر
اور حضرت عبدالرحمٰن بھی حضرت عائشہؓ کو خدا کا واسطہ دینے لگے کہ ابن زبیرؓ
سے بات کیجئے اور ان کے عذر کو قبول کیجئے ۔ اور کہنے لگے کہ آپ جانتی ہی ہیں
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات اور بول چال ترک کرنے سے منع فرمایا
ہوا ہے، پس کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین راتوں
سے زیادہ چھوڑے رکھے (یعنی اس سے ملاقات اور بول چال ترک کیئے رہے

Marfat.com

پھر جب انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو بہت زیادہ سمجھایا بجھایا اور (اتنا اصرار کیا گویا کہ انہیں) تنگ کر دیا۔ تو وہ انہیں سمجھانے بجھانے لگیں اور رونے لگیں اور کہا کہ میں نے عہد کیا ہوا ہے اور عہد کا معاملہ سخت ہوتا ہے تاہم وہ دونوں ان پر مسلسل دباؤ ڈالتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ سے بات کر لی (اور آپس میں صلح ہو گئی) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (بخاری)

غرضیکہ مسلمانوں کی آپس میں صلح کرا دینا بہت فضیلت والا اور از حد مفید عمل ہے تاہم اس سلسلے میں ایک اور پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ صلح کرانے کی خاطر کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال نہ کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے ــــــ امام احمد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔

(ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ صلح کرانے کے لیے کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جسے اسلام نے گناہ قرار دیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسی پابندی لگائی یا قبول کی جائے جسے لگانے یا قبول کرنے کی اسلام میں اجازت نہ ہو۔ بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم ایک دینی حکم ہے۔ لہٰذا اس کام کو دین کے اصولوں کے مطابق سرانجام دینا ہوگا کیونکہ دین کا کوئی ایک حکم ماننے کے لئے اس کے کسی اور حکم یا احکام کی نافرمانی کرنا نادانی ہی نہیں گناہ بھی ہے۔

سلام، ہدیہ، دعوت

مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت رکھنے اور ایک دوسرے کی امداد

Marfat.com

کرنے کی تلقین کرنے کے علاوہ حضورؐ نے انہیں کچھ ایسے طریقے بھی بتائے ہیں جو باہمی محبت کو بڑھانے کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں؟ ان میں سے ایک باہم سلام کرنا ہے۔ دوسرے ایک دوسرے کو تحفے دینا اور تیسرے ایک دوسرے کی دعوت کرنا۔

سلام :

سورۃ النسا، آیت ۸۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

" اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو "

معارف القرآن میں اس آیت کی یوں تشریح کی گئی ہے ،

" دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہار محبت کے لئے کہیں لیکن موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں۔ کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو تمام آفات اور آلام سے سلامت رکھے۔ پھر دعا بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں بلکہ حیات طیبہ کی دعا ہے۔ یعنی تمام آفات و آلام سے محفوظ رہنے کی۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہنچا سکتے۔ (معنی کے لحاظ سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اسی کے ساتھ

Marfat.com

اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات اور تکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں گویا وہ یہ وعدہ بھی کر رہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو۔ اور تمہاری جان، مال، آبرو کا میں محافظ ہوں خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی سلام ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے۔ اس میں

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔
۲۔ تذکیر بھی۔
۳۔ اپنے مسلمان بھائی سے اظہار تعلق و محبت بھی۔
۴۔ اس کے لیے بہترین دعا بھی۔
۵۔ اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

آیت میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ

"تم اس سے بہتر الفاظ میں سلام کر دیا ویسے ہی الفاظ کہہ دو"

تو ویسے ہی الفاظ استعمال کرنا تو یہ ہے کہ کوئی کہے "السلام علیکم" تو جواب میں "وعلیکم السلام" کہہ دیا جائے۔ اور بہتر الفاظ ایسے ہیں کہ اگر کوئی کہے "السلام علیکم" تو جواب میں کہا جائے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" یعنی تم پر بھی سلامتی ہو اور خدا کی رحمت ہو۔ اور اگر کوئی کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو جواب میں کہا جائے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یعنی تم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جتنی دعا اس نے دی ہے اس سے زیادہ دعا دے دی جائے۔ اسلامی سلام ایک نہایت ہی بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے۔

Marfat.com

سورۃ النور آیت ۶۱ میں فرمایا گیا ہے :

"پس جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو دعائے خیر، اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی ، بڑی بابرکت اور پاکیزہ ۔"

آپس میں سلام کرتے رہنے کی تاکید اور فضیلت کے بارے میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی کئی ارشادات ملتے ہیں :

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک مومن نہ ہو، اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہوگے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں ایک ایسی چیز کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کروں کہ جب تم اسے کرو تو تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو (وہ چیز یہ ہے کہ) آپس میں کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کرو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے رحمان کی بندگی کرو، اور (لوگوں کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب رواج دو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے ۔ (ترمذی)

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا "السلام علیکم" اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لیے) دس (نیکیاں ہیں) پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لئے) بیس (نیکیاں ہیں) پھر ایک اور آیا اور اس نے کہا کہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

Marfat.com

تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لیے) تیس (نیکیاں ہیں)
(ترمذی)

سلام بذات خود دعا ہے اور یہ تینوں فقرے جن کا اس حدیث میں ذکر ہوا ہے یہ بھی دعائیں ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو سلام کرتے ہوئے جتنے دعائیہ فقرے زیادہ استعمال ہوں گے اتنی ہی نیکیاں بڑھتی جائیں گی۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرو رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا اسلام بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام کرے جس کو جانتے ہو (اس کو بھی) اور جس کو نہیں جانتے (اس کو بھی)
(بخاری)

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ کہا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان میں پہلے سلام کون کرے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو اللہ کی رحمت سے زیادہ قریب ہو۔ (ترمذی)

مراد یہ ہے کہ جو پہلے سلام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے زیادہ قریب ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم تعداد والے لوگ زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (ایک راوی) ابن مثنیٰ نے اپنی حدیث میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں سلام کرنے کے سلسلے میں کچھ اصول بتا دیئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سوار اور پیدل ایک دوسرے کو ملیں تو سوار پہلے سلام کرے اور پیدل جواب دے۔ ایسے ہی چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو پہلے

Marfat.com

سلام کریں اور وہ لوگ پھر جواب دیں۔ ایک راوی کے بیان کی رُو سے چھوٹا پہلے سلام کرے اور بڑا جواب دے۔ یہ عام اصول ہیں جو بتا دیئے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ کس صورت میں کس نے پہلے سلام کرنا ہے اور کس نے جواب دینا ہے۔ تاہم مندرجہ بالا حدیث میں جو بیان ہوا ہے کہ پہلے سلام کرنے والا خدا کی رحمت سے زیادہ قریب ہوگا۔ وہ بھی اپنی جگہ درست ہے کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو یہ عمدہ دعا دینے میں پہل کرے گا وہ بہرحال خدا کی رحمت کا مستحق ہوگا۔

یسار بیان کرتے ہیں کہ میں ثابت بُنانی کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے بچوں کو سلام کیا۔ پھر ثابت نے بیان کیا کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ تھا۔ وہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے بچوں کو سلام کیا۔ پھر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا۔ حضورؐ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے بچوں کو سلام کیا۔ (ترمذی)

یعنی اصولاً اگرچہ چھوٹے کو چاہیئے کہ بڑے کو پہلے سلام کرے اور بڑا اس کا جواب دے تاہم اگر بڑا بھی بچوں کو سلام کرلے تو درست ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا کہ عزیز بیٹے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس آؤ تو سلام کرو۔ اس سے تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ (ترمذی)

ابو تمیمہ ہُجَیمی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تلاش کیا مگر نہ کر سکا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ہیں اور ان میں حضورؐ بھی ہیں مگر میں آپؐ کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کے درمیان صلح کرا رہے تھے۔ پھر جب آپؐ فارغ ہوئے تو ان میں سے بعض لوگ آپؐ کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے کہا "یارسولؐ اللہ"

Marfat.com

جب میں نے یہ دیکھا تو (مجھے پتہ چل گیا کہ حضورؐ کون ہیں اور) میں نے عرض کیا۔ "عَلَیْکَ السلام یارسولُ اللہ، عَلَیْکَ السلام یارسولُ اللہ، عَلَیْکَ السلام یارسولُ اللہ،" (یعنی آپؐ پر سلامتی ہو اے خدا کے رسولؐ) حضورؐ نے فرمایا کہ عَلَیْکَ السّلام مُردوں کا سلام ہے۔ (یعنی مردوں کو سلام کرتے ہوئے عَلَیْکَ السّلام کہا جاتا ہے) پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے سلام کا جواب دیا اور فرمایا وعلیک ورحمۃ اللہ، وعلیک ورحمۃ اللہ وعلیک ورحمۃ اللہ (یعنی تم پر بھی سلام ہو اور خدا کی رحمت ہو) (ترمذی)

حضرت طفیل بن اُبَیّ بن کعب سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتے تھے تو وہ صبح کو انہیں اپنے ہمراہ بازار لے جایا کرتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ جب صبح ہم بازار جاتے تو جس خُردہ فروش، تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا گزر ہوتا تو وہ اس کو ضرور سلام کرتے طفیل کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ حسبِ دستور مجھے بازار لے جانے لگے۔ میں نے کہا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے۔ نہ تو آپ کسی سے خرید و فروخت کے لئے بازار میں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے بارے میں آپ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں آیئے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں کریں۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اے ابو البطن ہم تو صبح کو سلام کے لیے بازار جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو اس کو سلام کر لیا کریں۔ (مؤطا امام مالک)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جیسے دیندار اور دین کو سمجھنے والے

Marfat.com

بزرگ سلام کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ محض لوگوں کو سلام کرنے کے لیے خاص طور پر بازار تشریف لے جاتے تھے۔

غرضیکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رو سے سلام کرنا محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ جب کسی مسلمان بہن بھائی سے ملیں تو سچے دل سے اسے سلامتی کی دعا دیں۔

ہدیہ :

باہمی محبت کو بڑھانے کے جو طریقے حضورؐ نے ہدایت فرمائے ہیں ان میں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو تحفے دیئے جایا کریں۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق تحفے کا لین دین دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کرے گا۔ تحفے کے متعلق چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ تحفے کے لیے بہت زیادہ قیمتی ہونا ضروری نہیں۔ اپنی استطاعت کے مطابق جیسا بھی تحفہ انسان دے سکے دے دے۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ کوئی بڑا قیمتی تحفہ دینے کی استطاعت ہو تو تحفہ دوں۔ دوسرے اگر کوئی تحفہ دے تو جواباً تحفہ دیا جائے کیونکہ حضورؐ تحفے کے جواب میں تحفہ دیا کرتے تھے۔ اور تیسرے جو شے کسی کو دے دی جائے اسے واپس نہ لیا جائے کہ اسے سخت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمان عورتو، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن (کے ساتھ تحفے کا لین دین کرنے) کے لیے حقیر نہ سمجھے چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری)

بکری کے کھر سے مراد یہ ہے کہ چاہے کوئی کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ ہو اُسے تحفے کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ دینے والی یہ خیال نہ کرے کہ چیز معمولی ہے

Marfat.com

تحفے کے طور پر دینا ٹھیک نہیں۔ اور جسے تحفہ دیا جائے وہ بھی معمولی تحفے کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اگر کسی میں اتنی استطاعت ہو کہ قیمتی تحفہ دے سکے تو بیشک وہ قیمتی تحفہ دے۔ لیکن اگر مالی حالت قیمتی تحفہ دینے کی اجازت نہ دیتی ہو تو پھر تحفہ دینے سے رُک نہیں جانا چاہیئے بلکہ جس قسم کا تحفہ دینے کی بھی استطاعت ہو دیا جائے تاکہ باہمی تعلقات پر تحفے نے جو خوشگوار اثر ڈالنا ہے اس سے انسان محروم نہ ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر مجھے ایسی دعوت میں مدعو کیا جائے جہاں ضیافت کا سامان (ذبیحہ جانور کا) ایک دست یا ایک پایہ ہو تو بھی میں اس دعوت کو قبول کر دں گا اور اگر مجھے ایک دست یا ایک پایہ بطور ہدیہ دیا جائے تو بھی میں اُسے قبول کر لوں گا۔

(بخاری)

اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی اس خیال میں نہیں رہنا چاہیئے کہ کوئی قیمتی چیز ہو تبھی تحفہ دیا جائے۔ تحفے کا لین دین جاری رہنا چاہیئے خواہ معمولی تحفے ہی دیے جا سکیں۔ تحفے کے ساتھ قیمتی ہونے کی پابندی لگانے سے تحفے کا لین دین رک جائے گا۔ یا بہت کم ہو سکے گا۔ اس لیے حضورؐ نے معمولی معمولی چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اگر تحفے کے طور پر اتنی معمولی چیزیں ہی دی جائیں تو بھی ٹھیک ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے (یعنی ہدیے کے عوض خود بھی ہدیہ عطا فرمایا کرتے) (بخاری)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

Marfat.com

فرمایا کہ ہبہ کرکے واپس لینے والا اس کتّے کی مانند ہے جو قے کرے اور پھر اسے کھائے۔ (بخاری)

جیسے کہ اوپر بھی بیان ہو چکا ہے حضورؐ نے اس بات کو شدید طور پر ناپسند فرمایا ہے کہ جو شے کسی کو دی جا چکی ہو اُسے پھر واپس لیا جائے۔

حضرت عمرؓ بن خطّاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک گھوڑا راہِ خدا سواری کے لئے دیا۔ گھوڑا جس کے پاس تھا اس نے اُسے ضائع کر دیا (یعنی اس کا دھیان نہ رکھا لہٰذا وہ خراب ہو گیا) پس میں نے چاہا کہ میں اُسے اس شخص سے خرید لوں اور میرا خیال تھا کہ وہ اُسے سستا بیچ دے گا۔ میں نے اس کے بارے میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اُسے نہ خریدنا چاہے وہ شخص اُسے تجھے ایک درہم ہی کے بدلے کیوں نہ دے دے۔ کیونکہ اپنے صدقے کو واپس لینے والا اس کتّے کی مانند ہے جو اپنی قے کھاتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا تحفہ ہے دودھ دینے والی عمدہ اونٹنی اور عمدہ بکری جو صبح و شام برتن کو دودھ سے بھر دیتی ہے۔ (بخاری)

انسانی ضروریات میں غذا کو جو اہمیّت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں لہٰذا کسی کو کوئی ایسا تحفہ دینا جو غذا بہم پہنچائے نہایت عمدہ تحفہ ہوتا ہے۔ غذاؤں میں بھی دودھ کی اہمیّت خاص طور پر زیادہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی غذا ہے جو بڑوں اور بچوں سب کے استعمال میں آ سکتی ہے اور سب کے لیے مفید ہوتی ہے۔

Marfat.com

دعوت :

باہمی تعلقات اور محبت بڑھانے کا تیسرا ذریعہ دعوت ہے۔ ذیل کی احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ کسی کو دعوت پر بلایا جائے اور وہ جانے سے انکار کرے۔ البتہ اگر کسی کے پاس کوئی شرعی عذر ہو تو علیحدہ بات ہے۔ مثلاً وہ بیمار ہے، یا کسی وجہ سے جا نہیں سکتا یا اُسے معلوم ہو کہ وہاں حرام غذائیں پیش کی جائیں گی۔ یا خدا کی نافرمانی کے کام ہوں گے۔ یا غیر شرعی حرکات کی جائیں گی وغیرہ۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تم دعوت میں بلائے جاؤ تو آؤ۔ (مسلم)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو شادی کی دعوت پر بلایا جائے تو ضرور شرکت کرے۔

(مسلم)

حضرت ابن عمرؓ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا کرتے تھے کہ (آپؐ نے فرمایا کہ) جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت پر بلائے تو اُسے قبول کرنا چاہیئے، چاہے وہ شادی کی دعوت ہو یا اسی کی مانند (کسی اور قسم کی)

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ بدترین کھانا اس دعوت کا کھانا ہے جس میں دولت مند لوگ بلائے جائیں اور غرباء کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت کو چھوڑ دیا (یعنی مدعو ہونے کے باوجود اس میں شرکت نہ کی) تو اس نے خدا اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی۔ (بخاری)

Marfat.com

مختصر یہ کہ :

اسلام کی قومیت کی بنیاد چونکہ دین اسلام ہے اس لیے دین اسلام سے جتنی محبت اور جتنی وفاداری زیادہ ہو گی انسان ان سب لوگوں سے زیادہ قریب ہو گا جو اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے وفادار ہیں۔

دین کی محبّت کے ساتھ سمجھ داری وسیع النظری اور فراخدلی کی بھی ضرورت ہے ورنہ عین ممکن ہے کہ دین سے تو محبت ہو مگر تنگ نظری کے باعث ، چھوٹے چھوٹے اختلافات ہی کے باعث دین کے نام لیواؤں سے عداوت ہو جائے۔

حبِّ دین کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ انسان دین کے قوی اور سربلند ہونے کا مشتاق رہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ خود بھی دوسرے دینداروں سے صلح واتفاق رکھے اور اگر دو مسلمان افراد یا دو مسلمان جماعتوں کے باہمی تعلقات کو خراب دیکھے تو ان میں بھی حتی الامکان صلح کرانے کی کوشش کرے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے کو بکثرت سلام کرنا ، اپنی استطاعت کے مطابق ایک دوسرے کو تحفے دینا، ایک دوسرے کی دعوت کرنا ایسے اعمال ہیں جو محبّت بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لیے کوئی غیر معمولی جدوجہد بھی نہیں کرنی پڑتی۔

Marfat.com

قریبی ماحول

قریبی ماحول سے مراد وہ مسلمان ہیں جن سے رشتے اور قرب کے باعث اکثر ملنا جلنا رہتا ہے مثلاً گھر کے لوگ، خدمت گار، رشتے دار، ہمسائے، محلے دار، دوست احباب، ملنے ملانے والے وغیرہ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر خون کی کشش یا میل ملاقات ہوتے رہنے کے باعث ان کے لیے دل میں محبت زیادہ ہو چکی ہوتی ہے تو انہیں وجوہ کے باعث باہمی تعلقات کے بگڑ جانے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ رشتے داریوں میں تو انسان ایک دوسرے سے توقعات بہت زیادہ وابستہ کر لیتا ہے۔ پھر اگر کوئی ان توقعات پر پورا نہ اتر سکے۔ تو شکوے شکایات شروع ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات لڑائی جھگڑوں اور قطع رحمی تک جا پہنچتی ہیں ہمسائیوں اور دوسرے قریبی لوگوں کے ساتھ بھی چونکہ اکثر میل جول رہتا ہے اس لئے غلط فہمی پیدا ہو جانے اور تعلقات کے بگڑ جانے کے امکانات وہاں بھی بکثرت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

پھر ان رشتے داریوں میں بعض خاص خاص رشتے ایسے ہیں جہاں باہمی فساد کے امکانات اور بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً خواتین کے سسرالی رشتے دار۔ یہ میدان اتنا سخت ہے کہ بڑی بڑی خدا ترس، حلیم اور دانا خواتین بھی یہاں مار کھا جاتی ہیں۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ زیادہ ملنا جلنا جس کے باعث غلط فہمیوں کے امکانات بڑھتے ہیں موجود ہوتا ہے۔ مگر خونی رشتوں کی کشش جو انسان کو ایک دوسرے کی زیادتی کو بھلا دینے پر مجبور کرتی ہے موجود نہیں ہوتی۔ لہٰذا فریقین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی زیادتی مبالغہ آمیز شکل میں نظر آتی ہے۔

ویسے بسا اوقات حالات کی تبدیلی خون کے رشتوں میں بھی فساد پیدا کر دیتی ہے۔ وہی بہن بھائی جو ماں باپ کے سائے تلے ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں، جب اپنے اپنے گھر بار والے ہو جاتے ہیں اور ان کی اولادیں جوان ہو جاتی ہیں۔ تو انہیں ایک دوسرے کو چاہنے والوں کو ایک دوسرے کے خلاف اتنی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں کہ گویا ان کی زندگیوں میں وہ زمانہ کبھی آیا ہی نہ تھا جب وہ ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ اس بگاڑ کی وجوہ میں سے بظاہر ایک وجہ یہی ہے کہ بہنوں کے شوہروں اور بھائیوں کی بیویوں کی شکل میں خاندان میں وہ اجنبی عناصر آ داخل ہوتے ہیں جن میں خون کی کشش موجود نہیں ہوتی۔ اس بے کشش امتزاج کے دباؤ تلے پھر بہنوں بھائیوں کے درمیان پائی جانے والی خون کی کشش بھی اپنا زور کھو بیٹھتی ہے۔ پھر اپنی اپنی اولاد ہو جانے کے باعث جو نئی محبتیں نشوونما پا لیتی ہیں ان کی شدت بھی پرانی محبتوں کو دبا دیتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ دل ایک دوسرے سے اتنے دُور ہو جاتے ہیں کہ بالکل معمولی اور حقیر اسباب کی بنا پر بڑے بڑے طوفان بپا ہو جانے ت آ جاتی ہے۔

Marfat.com

اب ان سطور میں جس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اس قریبی ماحول کے لوگ ہمارے اہل خانہ یا رشتے دار یا ہمسائے یا محلے دار یا احباب ہونے کے علاوہ ہمارے مسلمان بہن بھائی بھی ہیں۔ اب اگر وہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ہمارے رشتے دار یا محلے دار یا رفیق وغیرہ بھی بن گئے ہیں تو اس سے ان کے حقوق بڑھے ہیں نہ کہ ہم ان کے مسلمان بہن بھائی ہونے کو بھی بھلا بیٹھیں۔ اس تالیف میں " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ " اور " باہمی بے اتفاقی اور ایذا رسانی کی ممانعت " کی سرخیوں کے تحت جو آیات و احادیث بیان ہوئی ہیں انہیں بغور پڑھیے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کیجئے کہ یہ ہدایات صرف دُور بسنے والے مسلمانوں ہی کے لیے نہیں دی گئیں بلکہ آپ کے بھائی بھاوجوں، آپ کی ساس نندوں، آپ کے دیوروں جیٹھوں اور دیورانیوں جٹھانیوں، آپ کے سمدھیانے والوں، آپ کے دُور و نزدیک کے رشتے داروں، آپ کے ہمسائوں آپ کے محلے داروں، آپ کے گھر والوں، آپ کے خدمت گزاروں اور آپ کے ملنے ملانے والوں سب کے لئے دی گئی ہیں۔

آپ کے ساتھ رشتے داری یا محلے داری یا میل ملاپ کا تعلق قائم ہو جانے کے باعث وہ لوگ کوئی اخوتِ اسلامی کے دائرے سے باہر نہیں نکل گئے۔ بلکہ ان تعلقات نے تو ان کے حقوق اور زیادہ بڑھا دیئے ہیں۔ کیونکہ کسی انسان کے ساتھ جتنے رشتے زیادہ ہوں گے اتنے اس کے حقوق زیادہ ہوں گے۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ دُور بسنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی گروہ کو کوئی تکلیف پہنچے گی تو اس کی خبر پڑھ کر یا سُن کر دل غم سے چور ہو جائے گا۔ مگر ٹھیک اسی وقت کسی قریبی کے ساتھ ٹھنی ہوئی ہو گی اور اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ ہو گا۔ سوچنا چاہیئے کہ آخر ان دُور بسنے والوں کی تکلیف سے

Marfat.com

احساس نے ہمیں اتنا بے قرار کیوں کیا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اسی لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔ تو پھر یہ صفت تو اس قربیں بھی پائی جاتی ہے جس سے ہم نے تعلقات منقطع کر رکھے ہیں آخر ان قریب بسنے والوں کی مسلمانی نظر کیوں نہیں آتی۔

جب مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان اکٹھے تھے ایک دفعہ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ ہوئی۔ انہی دنوں پاکستان کے ایک بازو سے ماہرین تعلیم کی ایک جماعت کسی تعلیمی پروگرام کے سلسلے میں دوسرے بازو میں گئی۔ وہاں جو لوگ انہیں لیکچر دے رہے تھے ان میں ایک صاحب بڑے لائق اور وقت کے ازحد پابند تھے۔ ان کے لیکچروں کے لئے جو وقت متعین ہوتا اس میں کبھی ایک منٹ کی بھی دیر نہ ہوتی تھی۔ مگر جس دن عربوں کی شکست کی خبر آئی وہ اپنے مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ دیر سے پہنچے اور جب وہ آئے بھی تو ان کا دل کا غم ان کے چہرے پر صاف عیاں تھا۔ لیکچر کے دوران بھی ان کا وہ حال رہا کہ سننے والوں کو صاف نظر آرہا تھا کہ صدمے کی شدت کے باعث ان کا دماغ ٹھیک طور پر ساتھ نہیں دے رہا۔ سامعین کے اپنے دلوں کا حال بھی ویسا ہی تھا اور وہ بھی عربوں کی شکست کو بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ مگر ستم ظریفی کی انتہا دیکھئے کہ ٹھیک انہیں دنوں جب دور بسنے والے عربوں کی شکست کے احساس نے انہیں اس طرح بے حال کر رکھا تھا ایک ہی ملک کے دو بازوؤں میں بسنے والے یہ لوگ خود ایک دوسرے سے بے زار ہو رہے تھے اور باہمی شکایتیں دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ وقت بھی آگیا کہ دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک نے اپنے باشندوں کی باہمی بے اتفاقی کے باعث دولخت ہو چھوٹے

Marfat.com

چھوٹے ملکوں کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس تمام دوران میں عربوں کے ان غمخواروں کو کبھی خیال نہ آیا کہ جس بندھن نے انہیں عربوں سے اس طرح باندھ رکھا تھا کہ وہ دور بیٹھے ان کی شکست کا ماتم کر رہے تھے اس بندھن نے خود انہیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ باندھ رکھا تھا !!!

پھر یہ بھی ہے کہ انسان اپنی زندگی کا بیشتر وقت اپنے قریبی ماحول میں بسر کرتا ہے۔ لہٰذا اس ماحول میں وہ جو طرزِ عمل اختیار کئے رہتا ہے اس کے باعث اس میں جو عادات پختہ ہو جاتی ہیں وہ بسا اوقات اجتماعی معاملات پر بھی اثرانداز ہوتی ہیں وطن عزیز کی زندگی میں اس پر جو نازک دور آتے رہے ہیں انہیں میں سے ایک کے دوران وقت کی حکومت اور عوام کے لیڈروں کے درمیان اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ باہم گفت و شنید کرنے کے لئے سرکاری سطح پر ایک کانفرنس کا بندوبست کیا گیا۔ اس وقت صورت حالات یہ تھی کہ باہر دشمن تاک لگائے بیٹھا تھا اور اندر باہمی کشیدگی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی ہر دردمند دل تڑپ رہا تھا اور خدشات نے راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں کانفرنس کی کارروائی کے دوران دو غصیلے لیڈر خود ایک دوسرے ہی کے خلاف ایسے طیش میں آ گئے کہ لوگوں کو کارروائی بند کر کے انہیں سمجھانے بجھانے اور ٹھنڈا کرنے کے لئے کوشش کرنا پڑی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے قریبی ماحول میں عفو و درگزر سے کام لینے رہنے کے باعث اپنے اندر حلم اور حوصلہ پیدا کر چکا ہو اس سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے نازک وقت میں آپے سے باہر ہو جائے گا۔

قریبی ماحول میں جہاں باہمی تعلقات بگڑ جانے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں وہاں دوسری طرف باہمی محبت بھی موجود ہوتی ہے۔ خصوصاً خون کے رشتوں

بہرحال انسان غیر ارادی طور پر ایک دوسرے کو چاہنے پر مجبور ہوتا ہے اس لیے ان رشتوں میں تعلقات کا بگاڑ ویسے بھی انسان کے لیے از حد اذیت دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جس قرب اور چاہت نے ایک دوسرے کے بارے میں توقعات کو مبالغہ آمیز حد تک بڑھا کر بگاڑ کے اسباب پیدا کئے ہوتے ہیں وہی چاہت پھر مجبور کرتی ہے کہ باہمی جدائی کو شدت سے محسوس بھی کیا جائے اب بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں باہمی محبت ہوگی وہاں لڑنے جھگڑنے اور ایک دوسرے سے تعلقات توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ دلوں میں گھری ہوئی محبت مجبور کرے گی کہ ایک دوسرے کی زیادتی کو نظرانداز کرکے بھی اپنے آپ کو جدائی کے صدمے سے محفوظ رکھا جائے۔ لیکن وہ شیطان جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انسان کے جسم میں اس طرح پھرتا ہے جیسے خون رگوں میں گردش کرتا ہے، انسان کو اپنے بہکاوے میں لاکر اس بوالعجبی پر بھی تیار کرلیتا ہے کہ دلوں میں پورے طور پر ایک دوسرے کی محبت اور خیر خواہی ہونے کے باوجود جھوٹی عزت نفس کو بہانہ بنا کر باہم جنگ وجدال شروع کردیا جائے جس کا انجام یہ ہو کہ سلام دعا بند، ملنا جلنا ختم، خوشی غمی میں بھی شرکت کرنے سے کلی پرہیز، پھر چاہے فریقین ایک دوسرے کے غم میں روتے تڑپتے ہی رہیں مگر وہی جھوٹی عزت نفس کا ڈھکوسلا تعلقات کو از سر نو درست کرنے کی راہ میں کھڑا ہو جاتا ہے!!!

جو لوگ تعلقات توڑ لینے کے بعد بڑی شانِ بے نیازی سے کہہ دیتے ہیں کہ آخر ہماری زندگی میں ان کے بغیر کون سی کمی آرہی ہے!"

اور "ہم کوئی ان کے بغیر مرے تو نہیں جا رہے!"

اور "آخر ہمیں ان کی ضرورت ہی کیا ہے!"

Marfat.com

وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جسے دین کہا گیا ہے اس کی اصل حیثیت یہی ہے کہ وہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک ایسا ڈھنگ ہے جس سے آخرت کی کامیابی کے علاوہ اس دنیا ہی بھی دل کا سکون ملتا ہے اور معاملات احسن طریقے سے انجام پاتے ہیں۔ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جسے مرتے دم تک دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ طبعاً بھی اور ضرورتاً بھی زندگی بھر ایک دوسرے کا محتاج رہتا ہے۔ وہ نہ بلی ہے نہ کبوتر کہ کوئی انسان اسے گوشت یا دانہ ڈال دے تو بس وہ خوش اور مطمئن ہو جائے۔ اس کی ضروریات تو اتنی زیادہ اور اتنی پیچیدہ ہیں کہ منہ میں ایک لقمہ ڈالنے کے لیے بھی اسے دوسرے انسانی بھائیوں میں سے ہزارہا کی محنتوں سے فائدہ اٹھانا پڑتا ہے۔ طبعاً بھی وہ اپنے ابنائے جنس کا اتنا شیدا ہے کہ اسے دنیا جہاں کی آسائش اور مال و دولت دے کر کہیں تن تنہا چھوڑ دیجئے وہ کبھی خوش نہیں رہے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے، لہٰذا اس نے اسے احکام بھی وہ دیئے ہیں جن کے ذریعے اس کی یہ ڈھیر ساری اور پر پیچ ضروریات بحسن و خوبی پوری ہوتی رہیں۔ قریبی ماحول میں ایک دوسرے کے حقوق قائم کرکے، ایک دوسرے کے معاملے میں عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت فرما کر، ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرنے کا حکم دے کر ایک دوسرے سے تعلقات منقطع کرنے کی شدید ممانعت کرکے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے یہ بندوبست فرمایا ہے کہ اسے قریبی ماحول ہی سے ضروری امداد، حفاظت اور رفاقت ملتی رہے۔ اور ان ضروری امور کے لیے اسے کہیں دور جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اب ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جب انہیں یہ حقیقت سمجھائی جائے

Marfat.com

تو وہ بڑے خدا پرست بن کر کہتے ہیں کہ

"اچھا اللہ اپنے در کا محتاج رکھے۔ انسانوں پر نہ ڈالے۔"

بلاشبہ احتیاج پوری کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ انسان نے کیا کسی کی احتیاج پوری کرنی ہے۔ مگر خدا نے قریبی ماحول میں تعلقات قائم رکھنے صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق کو ذکر سے ادا کرنے کا اسی لیے تو حکم دیا ہوا ہے کہ اس بندوبست کے ذریعے وہ ہماری احتیاجات پوری کرتا ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اپنی حکمت کاملہ سے کام لے کر ہمارے فائدے کے لیے جو عمدہ بندوبست اس نے کیا ہوا ہے اُسے تو ہم توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور پھر پکار پکار کر اس سے فریادیں کریں کہ ہماری حفاظت اور امداد کا کوئی اور بندوبست فرما، کیونکہ جو بندوبست تُو نے کر رکھا ہے۔ اسے ہماری انا قبول نہیں کرتی۔ آخر شیدُلا نے بھی تو یہی کیا تھا اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بھیڑیے نے اسے کھا لیا تھا۔

یہ شیدُلا کی حکایت یوں بیان کی گئی ہے کہ جب شیدُلا کا باپ مر گیا تو اس کے لیے ڈھیروں دولت چھوڑ گیا۔ شیدُلا نے کوئی کام کرنے کے بجائے اس دولت کو اڑانا شروع کر دیا۔ لوگ سمجھاتے تھے کہ شیدُلا کوئی کام کر ورنہ تیری دولت ختم ہو جائے گی اور تو کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جائے گا۔ مگر شیدُلا نہ مانا اور بدستور فضول خرچی کرتا رہا۔ آخر ایک دن سب دولت ختم ہو گئی اور شیدُلا فاقے کرنے لگا۔ اب وہ ایک ایک کے پاس جاتا اور اپنی ناداری کی شکایت کرتا۔ لوگ اب کیا کر سکتے تھے۔ وہ تسلی دے دیتے کہ فکر نہ کر، اللہ دن پھیر دے گا۔ مگر جب کئی ہفتے گزر گئے اور دن نہ پھرے تو شیدُلا نے سوچا کہ ایسے کیوں نہ کروں کہ خود ہی جا کر اللہ کے حضورؐ میں فریاد کروں۔ شاید

Marfat.com

کام بن جائے۔

اب شیدُلا خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑا۔ راستے میں اسے ایک بھیڑیا ملا جو سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا۔ بھیڑیے نے پوچھا کہ شیدُلا کہاں جا رہے ہو۔ شیدُلا نے کہا کہ بھیڑیے بھائی غریبی جان نہیں چھوڑتی۔ خدا کے حضور میں فریاد کرنے جا رہا ہوں۔ بھیڑیے نے منت سے کہا کہ شیدُلا پھر میری بھی ایک التجا پہنچا دینا۔ دیکھو میں سوکھ کر کانٹا ہو رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھنا کہ میں کیا علاج کروں کہ میری صحت ٹھیک ہو۔ شیدُلا نے وعدہ کیا اور چل دیا۔ کچھ دُور گیا تو اسے ایک درخت ملا۔ درخت نے پوچھا کہ شیدُلا کہاں جا رہے ہو۔ شیدُلا نے بتایا کہ اللہ میاں کے حضور میں جا رہا ہوں تاکہ اپنی غریبی کی فریاد کروں۔ درخت یہ بات سن کر رو دیا۔ اور منت سے کہنے لگا کہ شیدُلا میری بھی ایک درخواست پہنچا دینا۔ دیکھو موسم آتا ہے تو میں پھولوں سے بھر جاتا ہوں مگر پھر یہ سب جھڑ جاتے ہیں اور ایک عرصے سے مجھ پر پھل نہیں لگا۔ اللہ میاں سے پوچھنا کہ میں کیا کروں کہ مجھے پھل نصیب ہو۔ شیدُلا نے اس سے بھی وعدہ کر لیا۔ پھر وہ اللہ کے پاک گھر میں پہنچا۔ اور اپنی غریبی کی فریاد بھی کی اور بھیڑیے اور درخت کا پیغام بھی دیا۔ دعا کرتے کرتے اسے نیند آ گئی۔ اور وہ وہیں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ خدا کا فرشتہ تسلی دے رہا ہے کہ شیدُلا واپس جا۔ خدا تجھے دولت دے گا۔ اور درخت سے کہہ دینا کہ اس کی جڑ میں کسی نے کوئی خزانہ دفن کیا ہوا ہے۔ خزانے کے مالک اور اس کے وارث عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں نہ اس خزانے کو کسی نے نکالا ہے نہ درخت کو پورا پانی پہنچ رہا ہے۔ اگر کوئی اس خزانے کو نکال لے تو درخت ٹھیک ہو جائے گا اور بھیڑیے سے کہنا کہ کسی ایک بے وقوف آدمی کو کھا لے تو وہ تندرست ہو جائے گا۔

Marfat.com

پھر شیدُلا کی آنکھ کھلی تو وہ خوشی سے نہال نہال واپس لوٹا۔ جب درخت کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا کہ شیدُلا میری بات کا جواب لے کر آئے ہو؟ شیدُلا نے کہا کہ ہاں، تمہاری جڑ میں کوئی خزانہ دفن ہے۔ اگر اُسے نکال لیا جائے تو تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ درخت نے بہت شکریہ ادا کیا اور کہا۔ شیدُلا تمہیں یہ خزانہ لے لو۔ تمہاری مفلسی دور ہو جائے گی اور میں بیماری سے نجات پا لوں گا۔ مگر شیدُلا کہنے لگا کہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں یہ خزانہ لوں۔ میرے لیے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ مجھے دولت دے گا۔ اور شیدُلا خزانہ چھوڑ کر چل دیا۔ جب بھیڑیے کے پاس پہنچا تو بھیڑیے نے بھی پکار کر پوچھا کہ شیدُلا میرے سوال کا جواب لائے ہو۔ شیدُلا نے کہا کہ ہاں۔ تم ایک بے وقوف آدمی کو کھا لو تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔ بھیڑیے نے بھی بہت شکریہ ادا کیا اور پھر کہنے لگا شیدُلا ذرا بتانا تو کہ راستے میں اور وہاں اللہ کے گھر میں تم نے کیا کچھ دیکھا تھا۔ شیدُلا نے اسے ساری بات بتائی اور ساتھ ہی خزانے والی بات بھی بتا دی۔ بھیڑیا کہنے لگا شیدُلا مبارک ہو۔ اللہ نے تمہیں اتنا بڑا خزانہ دے دیا۔ اب دھیان سے برتنا اور ساتھ کوئی کام کرتے رہنا تاکہ پھر مفلسی نہ آ جائے۔ شیدُلا حیران ہو کر بولا کہ اس خزانے کا مجھ سے کیا تعلق۔ اُسے تو میں وہیں چھوڑ آیا ہوں۔ کیونکہ اللہ نے مجھے دولت دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وہ مجھے ضرور مال دے گا۔ تو پھر میں وہ خزانہ کیوں لیتا۔

بھیڑیا شیدُلا کی بات سُن کر ششدر رہ گیا۔ وہ چلا کر بولا کہ کیا تم نے وہ خزانہ نہیں نکالا؟ شیدُلا نے اس سے زیادہ چلا کر کہا کہ آخر کیوں میں نکالتا وہ خزانہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دینے کا وعدہ کر ہی رکھا ہے۔ بھیڑیے نے کہا: " اے احمق خدا نے تمہیں دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس نے اس

Marfat.com

خزانے ہی کی شکل میں تو پورا کیا تھا۔ اُسے تم ٹھکرا آئے ہو اور اب اس انتظار میں ہو کہ تمہیں اور خزانہ ملے گا۔ تم سے بڑا بے وقوت دنیا میں اور کون ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ میں تمہیں کو کھا لیتا ہوں تاکہ میری بیماری دور ہو جائے اور دنیا ایک بے وقوت سے نجات پالے" ــــ اور بھیڑیے نے شیدُلا کو کھا لیا۔

بس کچھ ایسا ہی حال ہمارا ہے۔ ہمارے فائدے اور ہمارے معاملات کے سلجھاؤ کے جو بندوبست اللہ تعالیٰ نے کر رکھے ہیں انہیں ہم قبول نہیں کرتے اور پھر فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے معاملات سلجھا دے۔ پھر اگر ہمیں غم و الم اور اضطراب کے بھیڑیے آکر کھا جائیں تو آخر اس میں تعجب کی بات کون سی ہے۔

حقوق کی ادائیگی :

قریبی ماحول میں حالات درست رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو بندوبست فرمائے ہیں ان میں ایک اہم چیز باہمی حقوق کی ادائیگی ہے۔ اس ماحول میں رہنے والے سبھی لوگ حقوق و فرائض کے نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔ جو کچھ ہم نے دوسروں سے لینا ہے وہ ہمارے حقوق ہیں اور ان کے فرائض ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دینا ہے وہ ان کے حقوق ہیں اور ہمارے فرائض ہیں اور باہمی تعلقات کی درستی بہت حد تک اسی پر منحصر ہے کہ ہر انسان اپنا فرض ادا کرنے اور دوسرے کے حقوق دینے کی طرف خصوصی توجہ رکھے۔ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور اس کی ضروریات اسی طرح پوری ہوتی ہیں کہ وہ دوسروں کو ان کے حقوق دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسے بھی اس کے حقوق ملتے رہیں۔

ایک معمولی سی مثال والدین اور اولاد کی ہے۔ بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو ت کے محتاج ہوتے ہیں کہ والدین ان کے حقوق ادا کریں۔ انہیں پالیں پوسیں

Marfat.com

ان کی تربیت کریں، ان کے درمیان عدل قائم رکھیں اور اپنے وسائل کے مطابق پوری کوشش کریں کہ وہ اپنا بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہو جائیں ۔ پھر اس کے بعد ایک وقت ایسا آتا ہے کہ والدین اگر زندہ ہیں تو بوڑھے اور کمزور ہو کر بے کار ہو چکے ہوتے ہیں ۔ پھر ان کے بچوں کا فرض ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق ادا کریں ۔ ضرورت کے مطابق حتی الامکان ان کی مالی اور جسمانی خدمت کریں ان کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھیں ۔ اور انہیں عمدہ رفاقت دیں ۔ اب اگر بچوں کی کم عمری کے زمانے میں والدین ان کے حقوق ادا نہ کریں اور والدین کے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت میں بچے ان کے حقوق ادا نہ کریں تو اندازہ لگائیے کہ معاشرے میں کتنی شکر رنجیاں، کتنا فساد اور کتنا دکھ پھیل جائے ۔ اب صورت یہ ہے کہ والدین کے دل میں تو خدا نے ممتا اور شفقت پدری اس افراط سے رکھی ہوئی ہے کہ وہ تو بچوں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہی ہیں الا ماشاء اللہ ۔ مگر جوان اولاد میں سے کئی ایسے ہوتے ہیں جو والدین کے حقوق کما حقہ، ادا نہیں کرتے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے والدین کا پورا بڑھاپا شکوے کرتے گزر جاتا ہے ۔ اور ان شکووں سے پھر مزید شکر رنجیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔

اسی مثال پر دوسرے تعلقات کو قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ معاشرے کے ہر طبقے کے حقوق قائم کر دیئے گئے ہیں اور ان پر فرائض عائد کر دیئے گئے ہیں اور ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرے تاکہ سبھی خوش اور مطمئن رہیں ؛

رشتے داروں کے حقوق یہ ہیں کہ ضرورت پڑنے پر امکان بھر ان کی مالی اور جسمانی خدمت کی جائے، ان سے حسن سلوک کیا جائے ۔ ان کے دکھ سکھ میں شرکت

Marfat.com

کی جائے۔ اور ان سے تعلقات توڑنے سے پرہیز کی جائے۔

ہمسایوں کے حقوق یہ ہیں کہ انہیں ہر قسم کی ایذا دینے سے پرہیز کی جائے اور ان کے رازوں کی حفاظت کی جائے۔ انہیں امداد کی ضرورت ہو تو حتی الامکان انہیں امداد بہم پہنچائی جائے اور ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔

بیویوں کے شوہروں پر یہ حقوق ہیں کہ وہ ان کی کفالت کریں۔ انہیں حفاظت بہم پہنچائیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کریں اور ان کے معاملے میں تمام امور میں عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

شوہروں کے بیویوں پر یہ حقوق ہیں کہ وہ ہر جائز امر میں ان کی اطاعت کریں۔ ان کے بچوں، گھر بار اور اپنے نفس کی حفاظت کریں اور شوہروں کو اچھی رفاقت دیں۔

خادموں کے اپنے مالکوں پر یہ حقوق ہیں کہ وہ مالک ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں۔ ان کی غلطیوں کو معاف کیا کریں۔ ان پر سختی نہ کریں اور ملازمت کی شرائط کو دیانت داری سے پورا کریں۔

مالکوں کے خادموں پر یہ حقوق ہیں کہ خادم دیانت داری سے ان کی خدمت کریں۔ ان کے خیر خواہ رہیں اور ان کے مال اور گھر بار کے معاملے میں خیانت سے کام نہ لیں،

عوام کے حکمرانوں پر یہ حقوق ہیں کہ وہ انہیں عدل و انصاف بہم پہنچائیں ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ ان پر اہل اور خدا ترس افسر مقرر کریں۔ اور انہیں مظالم کے خلاف فریاد اور بے راہ روی کے خلاف تنقید کا حق دیں۔

حکمرانوں کے عوام پر یہ حقوق ہیں کہ عوام ہر جائز بات میں ان کی اطاعت

Marfat.com

اور ان کے ساتھ تعاون کریں، ان کے وفادار اور خیر خواہ رہیں اور ضرورت پڑنے پر انہیں سیدھی راہ دکھائیں۔

ایسے ہی معاشرے کے کمزور اور غریب طبقات کے حقوق یہ ہیں کہ طاقت ور اور خوش حال طبقات ان کے بگڑے کام بنائیں۔ انہیں جسمانی اور مالی امداد بہم پہنچائیں اور ان سے حسن سلوک کر کے ان کے دلوں کو سکون دیں۔

غرضکہ ہر شخص اور ہر طبقے نے دوسروں کو کچھ دینا ہے۔ اور جواب میں ان سے کچھ لینا ہے۔ قریبی ماحول میں اخوت قائم کرنے کا پہلا قدم یہی ہے کہ جن جن لوگوں سے تعلقات قائم ہوں انہیں ان کا حق دیا جائے۔ جب ہر انسان دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو جواب میں ہر ایک کو اس کا اپنا حق مل جائے گا۔۔

اعتدال :

واضح رہے کہ حقوق کی ادائیگی سے مراد یہ نہیں ہے کہ ناپ تول کر جتنے کسی کے حقوق بنتے ہیں بس اتنے ہی ادا کیے جائیں بلکہ دوسروں کو ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر آمادہ ہو جانا نہایت اچھا طرز عمل ہے۔ اسے احسان کہا گیا ہے اور احسان باہمی تعلقات کو درست رکھنے کے لئے نہایت عمدہ طریقہ ہے۔ البتہ ایک چیز کا دھیان رکھنا ضروری ہے اور وہ ہے اعتدال کا رویہ۔ انسانی زندگی کے باقی پہلوؤں کی طرح باہمی انسانی تعلقات کو درست رکھنے کے لئے بھی جو طریقے اختیار کئے جائیں ان میں اعتدال پر قائم رہنا از حد ضروری ہے۔

اعتدال پر قائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق تو پورے ا

Marfat.com

ادا کیے جائیں۔ بلکہ احتیاطاً انہیں ان کے حق سے کچھ زیادہ ہی دے دیا جائے تاہم اپنے آپ پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو زیادہ دیر تک اٹھایا نہ جا سکتا ہو کیونکہ اس سے بھی عموماً خرابی ہی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان فطرتاً دوسروں کے حسن سلوک کا بہت جلد عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ حسن سلوک جس پیمانے پر کیا جا رہا ہو اگر اس میں ذرا سی بھی کمی آ جائے تو وہ اسے دوسرے کی زیادتی قرار دے لیتا ہے۔ اب اگر ہم دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اتنی زیادہ ذمہ داریاں اٹھا لیں گے جو زیادہ دیر نبھائی نہیں جا سکتی ہوں گی تو پھر جب ہمیں مجبوراً کوئی کمی کرنی پڑے گی تو دوسرے اسے ہماری سرد مہری یا زیادتی قرار دے کر ناراض ہو جائیں گے۔ کیونکہ جو ذمہ داریاں ہم نے خواہ مخواہ بے ضرورت اٹھالی تھیں وہ ان کے عادی ہو جانے کے باعث انہیں بھی اپنا حق سمجھنے لگے تھے۔

لہٰذا جب ان میں کوئی کمی ہوئی تو انہوں نے سمجھا کہ ان کا کوئی حق تلف ہو گیا ہے۔ اب وہ یہ تو نہیں دیکھیں گے کہ کمی کرنے کے بعد بھی ابھی ہم انہیں ان کے حق سے زیادہ دے رہے ہیں بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھیں گے کہ جتنا پہلے دیا جا رہا تھا اس میں کمی کر دی گئی ہے۔ اب عجب نہیں کہ بتقاضائے بشریت ہمارے دل میں بھی میل آ جائے کہ ان لوگوں کے لئے جان بھی ہلکان کر دی مگر پھر بھی طوطا چشم ہی رہے نتیجہ وہی باہمی تعلقات کی خرابی جس سے بچنے کی خاطر حسن سلوک اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا تھا۔ اب اگر حسن سلوک اور حقوق کی ادائیگی میں اعتدال سے کام لیا گیا ہوتا تو دوسرے لوگ اس معتدل سلوک ہی کے عادی ہو جاتے اور تعلق بہتر رہنے کے امکانات زیادہ ہوتے۔

اب بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان بھلا کیوں چاہے گا کہ ضرورت سے زیادہ ذمہ داریاں اٹھائے اور اپنے آپ پر بے ضرورت بے جا بوجھ ڈالے،

Marfat.com

مگر تجربے نے بتایا ہے کہ بسا اوقات کوئی شخص یہ نادانی کی حرکت اس لیے بھی کر لیتا ہے کہ اس نے کسی اور شخص کے مقابلے میں اپنی اہمیت ثابت کرنی ہوتی ہے چنانچہ لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں فلاں شخص سے زیادہ فرض شناس اور حسن سلوک کرنے والا ہوں، وہ اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ ذمہ داریاں لاد لیتا ہے۔ یہ طرز عمل کچھ زیادہ ہی احمقانہ ہے۔ اس لیے کہ بہت زیادہ بوجھ اُٹھا کر جب انجام کار انسان کو کوئی کمی کرنی پڑتی ہے تو جن لوگوں کی ذمہ داریاں اٹھائی ہوتی ہیں وہ بھی شکوے شکایات شروع کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی اجر نہیں ملتا۔ کیونکہ مقصود تو صرف اپنی اہمیت ثابت کرنا تھا، خدا کی خوشنودی تو مقصود نہیں تھی کہ وہ اجر دیتا۔

اب یہ فیصلہ کرنا بھی آسان نہیں کہ اعتدال کی آخری حد کون سی ہے جس سے آگے بڑھیں گے تو بے اعتدالی ہو جائے گی۔ ہر انسان اپنی مزاج اور طبع کے مطابق ہی اعتدال کی لائن کھینچتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں آخرت کی جواب دہی کا احساس زیادہ ہوتا ہے اور زندگی میں ایسے حالات سے سابقہ پڑا ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسروں سے اپنے حقوق لینے کی نسبت دوسروں کے حقوق ادا زیادہ کیے ہوتے ہیں وہ اعتدال کی لائن بہت آگے جا کر کھینچتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے دلوں میں حقوق لینے کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت دینے کے اور جو دوسروں کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کے مشتاق ہوتے ہیں اور زندگی ایسے گزاری ہوتی ہے کہ حقوق دینے کی نسبت حقوق لینے زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ اعتدال کی لائن بہت قریب ہی کھینچ لیتے ہیں، اور دوسروں کے حقوق ابھی ادا بھی نہیں ہوتے ہوتے کہ وہ رُک جاتے ہیں کہ بس اب اس سے زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب انسان کو کون بتائے کہ اعتدال کی لائن کا صحیح مقام کون سا ہے۔ اور جن بے شمار انسانوں سے ہمارے تعلقات قائم ہیں ان میں سے ہر ایک کے حقوق

Marfat.com

کہاں جا کر ختم ہوتے ہیں۔ پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ حقوق ادا کرتے ہوئے دوسروں کو ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیا جائے تو وہ "کچھ زیادہ" کی آخری حد کون سی ہے جس کے آگے پھر بے اعتدالی شروع ہو جائے گی۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ سمجھ اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی پاک کتاب میں دین کے اصول و احکام بیان فرما دیئے۔ خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے ان پر عمل کر کے اسلامی زندگی کا عملی نمونہ دکھا دیا۔ ذمہ دار لوگوں نے اس زندگی کو کتب احادیث میں محفوظ کر کے ہم لوگوں تک پہنچا دیا۔ تاہم جن حالات میں ہم نے ان احکام پر عمل کرنا ہے ان میں آئے دن اتنے تغیّرات آتے رہتے ہیں اور انسانی زندگی اتنی پیچیدہ ہو چکی ہے کہ خدا اور رسولؐ کے احکام پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کے لئے اس بات کی مسلسل ضرورت ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور رہنمائی کی دعا کرتا رہے۔ ہر معاملے میں اعتدال کی لائن کونسی ہے اس کی پہچان بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمجھ اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ جس کی یہ خواہش ہو کہ کل وہ خدا کے حضور میں اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کے معاملے میں سرخرو ہو اُسے مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ کیونکہ ایک طرف تو دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہنا ضروری ہے اور دوسری طرف اعتدال پر قائم رہنا بھی ناگزیر ہے اور اعتدال کی حدّ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فراست کے بغیر نظر نہیں آتی۔ کبھی انسان اس سے آگے بڑھ جاتا ہے اور کبھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

خلوص :

حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ اس کام کو فرض سمجھ کر اور

Marfat.com

خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے اور جن کے حقوق ادا کیے جائیں ان سے شکر گزاری اور احسان مندی کی توقع نہ رکھی جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ ہمارے حقوق ادا کر رہے ہوں ہم ان کے شکر گزار اور احسان مند ہوں ۔۔۔۔۔۔

اب بظاہر تو یہی معلوم ہوگا کہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انصاف تو یہی ہے کہ اگر ہم دوسروں سے شکر گزاری اور احسان مندی کی توقع نہیں رکھ سکتے تو دوسرے بھی ہم سے نہ رکھیں۔ اور اگر ہم نے دوسروں کا احسان مند اور شکر گزار ہونا ہے تو پھر دوسرے بھی ہمارے احسان منداور شکر گزار ہوں۔

مگر یہ دلیل صرف ظاہری طور پر ہی درست لگ رہی ہے عملاً یہ معاشرے کے لیے سخت مضر ہے۔ واضح رہے کہ اصول قاعدے بنانے سے اصل مقصد انسانی معاشرے کو بھلائی پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر کوئی اصول دیکھنے میں انصاف لگتا ہے مگر عمل میں آکر وہ معاشرے کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتا ہے تو اسے قابل تعریف نہیں سمجھا جائے گا۔ اب غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اگر انسان کی ذہنیت ایسی ہو جائے کہ وہ دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے تو شکر گزاری اور احسان مندی کی توقع نہ رکھے مگر جو لوگ اس کے حقوق ادا کریں ان کا شکر گزار اور احسان مند ہو تو معاشرے میں اتحاد، محبت اور امن و چین بڑھے گا۔ کیونکہ خود شکر گزار ہو کر وہ دوسروں کا دل جیت لے گا۔ اور جن لوگوں کے حقوق اس نے ادا کیے تھے وہ بھی اگر شکر گزار اور احسان مند ہوئے تو نہایت مناسب بات ہوگی۔ لیکن اگر وہ نہ ہوئے تو کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے تو ان سے شکر گزاری اور احسان مندی کی توقع ہی نہیں رکھی تھی۔ لیکن اگر انسان یہ مطالبہ کرے کہ جیسے میں احسان مند ہوتا ہوں دوسرے بھی ضرور میرے احسان مند ہوں تو اس میں بڑا خطرہ

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ دوسرے اس ذہنیت کے ہوں کہ انہیں اس بات کا احساس ہی نہ ہو کہ ان کے حقوق ادا کئے جا رہے ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اگر ہمارے حقوق ادا ہوئے ہیں تو کوئی ہم پر احسان تو نہیں ہوا۔ آخر ہم شکر گزار کیوں ہوں۔ ایسی صورت میں حقوق ادا کرنے والے نے اگر احسان مندی کی توقع رکھی ہو گی تو اس کے دل کو ٹھیس لگے گی۔ اور باہمی تعلقات لازماً متاثر ہوں گے۔

اب تیسری شکل یہ رہ جاتی ہے کہ کوئی بھی کسی کا احسان مند نہ ہو۔ لوگ بس مشینی انداز میں حقوق دیتے اور لیتے رہیں۔ یہ صورت بھی مفید نہیں کیونکہ اس سے زندگی کا بہت سا حسن ختم ہو کر رہ جائے گا۔ زندگی کا بہت سا سکون اور خوشی اچھے جذبات کی پیداوار ہوتی ہے اور جذبات کی دنیا میں حساب اور ریاضی نہیں چلا کرتے ورنہ جذبات نے زندگی کو جو دل کشی عطا کرنی ہوتی ہے وہ غارت ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الانعام ۱۶۲)

(کہو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے)

کی روشنی میں مسلمان کے ہر عمل کا مقصد خدا کی خوشنودی ہے۔ لہٰذا دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو۔ لہٰذا لوگوں سے شکریے، بدلے اور احسان مندی کی توقع رکھ کر اپنے اس عمل کا اجر کیوں کھویا جائے۔

باقی رہا اپنے حقوق ادا کئے جانے پر احسان مندی کا اظہار اور بدلہ دینے کی خواہش تو یہ بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

Marfat.com

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ (الرحمٰن ۶۰)

"نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اور حضورؐ کا فرمان ہے:

"جو شخص لوگوں (کے احسانوں) کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔" (ترمذی)

نیز آپؐ کا ارشاد ہے کہ

"جس شخص کو کوئی عطیہ دیا جائے تو اگر اس میں مقدرت ہو تو اس کا بدلہ دے۔ لیکن اگر بدلہ نہ دے سکے تو پھر اس کی تعریف کرے۔ پس جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا (یعنی عطیہ دینے والے کا) شکریہ ادا کیا۔ اور جس نے اس (کے احسان) کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی۔" (ابوداؤد)

مختصر یہ کہ قریبی ماحول میں اخوت قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کے حقوق فکر سے ادا کیے جانے چاہییں۔ اور ان میں اعتدال کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور اس ادائیگی کا مقصود خدا کی خوشنودی ہونی چاہیئے جس کے حصول کی خواہش کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے ان سے بدلہ یا احسان مندی اور شکرگزاری کی توقع نہ رکھی جائے مگر اپنے حقوق ادا ہوں تو شکریہ بھی ادا کیا جائے احسان مند بھی ہوا جائے اور مقدرت ہو تو بدلہ بھی دیا جائے۔ اگر قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے ان اصولوں کے مطابق حقوق ادا کیے جائیں گے تو انشاء اللہ وہ باہمی تعلقات کو مضبوط کرنے میں حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہوں گے۔

Marfat.com

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا :

(پس تم عفو و درگزر سے کام لو)

اگرچہ اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی مہم ہیں جس جگہ اور جس پیمانے پر بھی کام کرنا ہو صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔ تاہم قریبی ماحول میں چونکہ ملتے جلتے رہنے کے باعث تعلقات کے بگاڑ کے اسباب زیادہ فراہم ہوتے رہتے ہیں اس لیے یہاں اتفاق و اتحاد قائم کرنا ہو تو عفو و درگزر ایک لازمی اور ناگزیر چیز ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ اس قریبی ماحول میں عفو و درگزر جتنا ضروری ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے اس لیے کہ عموماً انسان کو اپنی زیادتی تو نظر نہیں آتی مگر دوسروں کی خطاؤں کے مقابلے میں وہ چیل کی نظر رکھتا ہے۔ اب جب اُسے پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ زیادتی دوسرے ہی کی ہے اس کی نہیں تو پھر اس کے لئے یہ امر محال ہو جاتا ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کی طرف سے اپنا دل صاف کرلے اور اُسے اس کی زیادتی کی سزا دینا تو کجا اپنے غصّے کا اظہار بھی نہ کرے۔

پھر یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو پورا پورا یقین ہوتا ہے کہ زیادتی کے مقابلے میں زیادتی کرنے ہی سے لوگ درست رہتے ہیں ورنہ باہمی بے انصافی بہت بڑھ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس برگزیدہ ہستی کے بارے میں ذیل کی روایات بیان کی گئی ہیں انہیں کامیاب زندگی گزارنے کے طریقے ہم سے بہتر آتے تھے۔

ابو عبداللہ جدلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نہ طبعاً فحش گو تھے۔ نہ آپؐ ارادۃً فحش گو بنتے یا فحش کام کرتے

Marfat.com

تھے نہ آپؐ بازاروں میں شور و غل کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ آپؐ معاف کر دیا کرتے اور درگزر فرماتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹ چھوڑ دیا اس حال میں کہ وہ باطل ہے اس کے لیے بہشت کے گرد (و نواح میں) گھر بنایا جائے گا۔ اور جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا اس کے لیے بہشت کے وسط میں گھر بنایا جائے گا۔ ..... (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیرات کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ اور معاف کر دینے سے خدا بندے کی عزت بڑھاتا ہی ہے اور جس نے خدا کی رضا جوئی کے لیے تواضع کی خدا اس کے درجے بلند فرماتا ہے۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ ۱۵۳)

"بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ ۲۴۹)

"اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۱۴۶)

"اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

واضح رہے کہ صبر کی ایک نہایت پسندیدہ شکل ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کرنا ہے۔ عفو و درگزر کو آسان بنانے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ جب کسی کی زیادتی معاف کرتے ہوئے یا آگے بڑھ کر کسی سے ملتے ہوئے ذلت کا

Marfat.com

ہوتا ہو تو قیامت کے دن کی عزت کو یاد کر لیا جائے جو انشاء اللہ اس عمل کے باعث عطا ہو گی۔

بعض لوگوں کو اس بات کی فکر بھی ہوتی ہے کہ اگر ہم عفو و درگزر سے کام لیتے رہے اور دوسروں کا لحاظ کرتے رہے تو لوگ ہم پر شیر ہو جائیں گے۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی مظلوم ہو تو اللہ تعالیٰ نے اُسے مجبور نہیں کیا کہ وہ ضرور ہی عفو و درگزر سے کام لے، وہ بدلہ بھی لے سکتا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ (النحل ۱۲۶)

اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص بدلہ لینا چاہے تو اسے اجازت ہے کر لے۔ لیکن دقت صرف یہ ہے کہ اول تو یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مظلوم سمجھ رہا ہے وہ واقعی مظلوم ہی ہے کیونکہ انسان کو اپنا ظلم نظر نہیں آتا کہ تا صرف دوسروں کا نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے ظالموں کا بھی یہ حال ہے کہ اپنے ظلم سے بے خبر رہتے ہیں اور جب مظلوم بدلہ لیتا ہے تو اس بدلے کو ظلم اور اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ دوسرے اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ

"بس اُسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔"

یہ بھی بڑا مشکل کام ہے جب انسان بدلہ لینے پر تُل ہی جائے تو پھر کسی معین حد پہ قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس بات کا پورا خطرہ ہوتا ہے کہ انسان حد سے بڑھ جائے اور زیادتی کا ارتکاب کر کے خود ظالم بن جائے چنانچہ جن لوگوں کو اپنی آخرت زیادہ عزیز ہوتی ہے وہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار

Marfat.com

نہیں ہوتے۔ جیسے کہ حضورؐ کے زمانے کے ایک شخص نے خطرے کی حالت سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ یا رسولُ اللہ، میرے کچھ غلام ہیں۔ وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اور میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور انہیں مارتا ہوں، تو (آپ مجھے بتائیے کہ) ان کے سبب میرا کیا حال ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جو کچھ تمہارے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور تمہاری نافرمانی کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اس کا (بھی) حساب ہوگا۔ اور تم انہیں جو سزا دیتے ہو (اس کا بھی ہوگا۔ پھر) اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو ان کے گناہوں کے برابر ہی ہوئی تو حساب بے باق ہو جائے گا۔ نہ تمہیں ثواب ملے گا نہ عذاب۔ اور اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو ان کے گناہ تمہاری سزا سے جتنے زیادہ ہوں گے (اس کے حساب سے) تمہیں اتنا ثواب مل جائے گا۔ اور اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو ان کے گناہوں سے زیادہ ہوئی تو جتنی تمہاری سزا زیادہ ہوگی (اس کے حساب سے) انہیں تم سے قصاص دلایا جائے گا۔ (حدیث کا راوی) بیان کرتا ہے کہ پھر وہ شخص ایک گوشے میں چلا گیا اور (قصاص کے خوف سے) رونے چلانے لگا۔ (اس پر) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی کتاب (میں یہ آیت) نہیں پڑھتے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تُظْلَمُ
نَفْسٌ شَيْئًا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الآیۃ

(یعنی قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ

Marfat.com

دیں گے ، پھر کسی شخص پہ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا ۔ وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں)

پھر وہ شخص کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ، خدا کی قسم ، میں اپنے لیے اور ان (غلاموں) کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں پاتا کہ ان سے جدائی اختیار کر لوں۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب کے سب آزاد ہیں۔ (ترمذی)

مندرجہ بالا آیت اور حدیث کی روشنی میں محفوظ طریقہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے شیر ہو جانے کے مقابلے میں بھی انسان اسی پہ بھروسہ کرے جو بدلہ نہ لینے والوں کی طرف سے بولنے کے لئے فرشتہ بھیج دیتا ہے۔

حضرت سعید بن مُسَیّب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے صحابہؓ بھی تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو بُرا کہا اور انہیں (زبان سے) اذیت دی۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے۔ اس نے پھر دوسری دفعہ انہیں اذیت دی۔ حضرت ابوبکرؓ (پھر) خاموش رہے۔ اس نے پھر تیسری دفعہ اُنہیں اذیت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سے بدلہ لیا جب حضرت ابوبکرؓ نے بدلہ لیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بات یہ ہے کہ جب یہ شخص تمہیں اذیت دے رہا تھا تو) آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا۔ اور جو کچھ یہ شخص تمہیں کہہ رہا تھا وہ اس کی تکذیب کر رہا تھا۔ پھر جب تم نے بدلہ لیا تو شیطان آپڑا۔ پھر جب شیطان آپڑے تو میں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ بدلہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسے کہ اوپر

Marfat.com

سورۃ النحل آیت ۱۲۶ میں بیان ہو چکا ہے مظلوم کو بدلہ لینے کی پوری اجازت ہے۔ یہ حدیث جو کچھ بتا رہی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک انسان کسی سے بدلہ نہ لے اسے غیبی امداد حاصل رہتی ہے۔ مگر جب بدلہ لینا شروع کر دیا جائے تو شیطان کو ریشہ دوانیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور پھر وہ باہمی انسانی تعلقات کو مزید بگاڑنے اور دشمنی کے زہر کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ اس پر بھروسہ کرے،

جو اَلْقَادِرْ (یعنی قدرت والا) اور اَلْمُقْتَدِرْ (یعنی ہر چیز کر سکنے والا) ہے، جو اَلْحَفِیْظُ (یعنی نقصان سے بچانے والا) اور اَلْمُهَیْمِنْ (یعنی نگہبان) ہے، جو اَلْمَتِیْنُ (یعنی بہت بڑی طاقت والا) اور اَلْحَسِیْبُ (یعنی کفایت کرنیوالا) ہے، اور جو مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب (یعنی اسباب پیدا کرنے والا) اور مُصَرِّفُ الْقُلُوب (یعنی دلوں کو بدلانے والا) ہے۔

اسے اس بات پر پوری پوری قدرت حاصل ہے کہ جن لوگوں کے شیر ہو جانے کا ہمیں خوف ہے وہ ان کے دل اس طرح بدلا دے کہ وہ شیر ہو جانے کو اپنا نقصان سمجھتے ہوئے ہم پر شیر نہ ہوں۔ اور اگر خدا کو یہی منظور ہو کہ وہ ہم پر شیر ہوں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نگہبانی میں بھی لے لے تو پھر ہمیں کسی کے شیر ہو جانے کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ہم ایک حصن حصین (یعنی مضبوط قلعے) میں ہوں گے تو پھر شیر گرج گرج کر اپنے آپ کو تھکاتے رہیں ہمیں کیا پروا۔ کونسا انہوں نے اس حصین حصین میں آ گھسنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ہی ایسے شیروں سے ڈر جاتے ہیں۔ اس اَلْمَتِین کی نگہبانی حاصل رہے تو ان شیروں سے خوف کھانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ صرف گرجا ہی کرتے ہیں۔ عملاً زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

Marfat.com

اپنی انا کو زیر کرنا :

غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کا کسی کی حقیقی یا خیالی زیادتی پر مشتعل ہو جانا اور کسی صورت معاف کرنے پر آمادہ نہ ہونا عموماً مستقبل کے کسی خدشے کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اپنی انا کو ٹھیس لگ جانے کی بنا پر ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کی نگاہوں میں ان کا اپنا آپ بہت بڑا ہوتا ہے۔ بس دل میں یہ بات جم چکی ہوتی ہے کہ ہم کوئی غلط بات نہیں کر سکتے حالانکہ بشر سے ہر وقت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ کوئی غلط کام کر گزرے یا کوئی غلط بات کہہ جائے۔ اگر کوئی شخص واقعی اپنے آپ سے خیر خواہی کرنا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ ٹھنڈے دل و دماغ سے اور پوری ہمدردی کے ساتھ اپنے آپ کو سمجھائے کہ تم کوئی بڑی شے نہیں ہو۔ بس ایک عام انسان ہو اور عام انسان غلطی بھی کر سکتا ہے اور زیادتی بھی۔ عین ممکن ہے کہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ جو جھگڑا چل رہا ہے اس میں قصور تمہارا ہی ہو۔ گناہوں سے محفوظ تو صرف انبیاء ہوتے ہیں اور تم نبی نہیں ہو۔ ایک عام انسان ہو۔ اور عام انسان اگر ولی اللہ بھی ہو تو بھی اس سے غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔

اگر انسان اس طرح نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو سمجھاتا رہے تو شاید وہ اپنی انا کو زیر کر ہی لے۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے جنہوں نے اپنی انا پر فتح پالی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ معاف کر دینے کی لذّت کو محسوس کر لیتے ہیں اور دل سے رنجشیں دھو دینے کے آرام اور راحت سے واقف ہو جاتے ہیں ان کے لئے اس انا کو زیر کر لینا کچھ مشکل نہیں رہتا جو بدلہ لینے پر ابھار کر زیادہ کرب میں مبتلا کر دیتی ہے۔

خارجیوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ لوگ بڑے دین پسند تھے مگر ساتھ ہی بڑے

Marfat.com

بے سمجھ اور تنگ دل بھی تھے۔ انہوں نے بعض کبار صحابہ پر بھی کفر کے فتوے لگائے پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ مگر جب مخالف ہو گئے تو انہیں بھی (نعوذ باللہ) دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ حضرت علیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ان لوگوں کی انتہائی بدزبانیوں کو بڑے ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے تھے۔ ایک دفعہ پانچ خارجی ان کے پاس گرفتار کر کے لائے گئے جو علی الاعلان انہیں گالیاں دے رہے تھے اور ان میں ایک تو برسرِ عام کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میں علیؓ کو قتل کر دوں گا۔ مگر حضرت علیؓ نے ان سب کو چھوڑ دیا اور اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ ان کی بدزبانی کا جواب تم چاہو تو بدزبانی سے دے لو مگر جب تک وہ عملاً کوئی باغیانہ حرکت نہیں کرتے محض زبانی مخالفت کوئی ایسا جرم نہیں ہے جس کی وجہ سے ان پر ہاتھ ڈالا جائے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نہایت حلیم، نرم خو اور متحمل مزاج تھے۔ آپ کے ایک عامل عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے ایک دفعہ آپ کو لکھا کہ میرے اجلاس میں ایک شخص اس جرم میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ میں نے اس کی گردن اڑا دینی چاہی تھی مگر اس خیال سے قید کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں آپ کی رائے لے لوں۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اسے لکھا کہ اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص لیتا۔ اور فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو اس کی گالی کے عوض تم بھی اسے گالی دے لو ورنہ اُسے رہا کر دو۔

ایک دن آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے صرف یہ جواب دیا کہ "تم جھوٹے گواہ ہو۔ میں تمہاری گواہی کو قبول نہیں کرتا۔"

ایک بار رات کو مسجد میں گئے۔ ایک شخص سو رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کو ان کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی۔ اس نے جھلا کر کہا کہ کیا تم پاگل ہو۔ بولے "نہیں

Marfat.com

پیراسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی تو آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ اس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا تم پاگل ہو۔ میں نے جواب دے دیا کہ نہیں ۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو سخت کلمات کہے تو آپ جواب میں خاموش رہے ۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں چپ ہیں فرمایا کہ تقوی نے زبان میں لگام لگا دی ہے ۔

حضرت امام زین العابدین ایک روز مسجد سے نکلے تو راستے میں ایک شخص ملا جو بے تحاشا بُرا بھلا کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا :"میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے بہت زیادہ ہیں اگر تمہاری کوئی ضرورت ایسی ہے جسے میں پوری کر سکتا ہوں تو بتاؤ ۔"

پھر اسے اپنا کرتا اور ایک ہزار درہم نقد عطا فرمائے ۔ وہ شخص اس قدر متاثر ہوا کہ بول اٹھا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد سے ہیں ۔"

عامر بن عبداللہ عنبری ایک عابد و زاہد تابعی تھے ۔ ایک دفعہ کسی نے وقت کے حکمرانوں کے کان بھرے اور ان کو بصرے سے شام بھیج دیا گیا ۔ کچھ دیر بعد انہیں بتایا گیا کہ اب آپ بصرے واپس آ سکتے ہیں مگر انہوں نے واپس جانا منظور نہ کیا اور بقیہ عمر شام ہی میں گزاری ۔ مگر اپنے دشمنوں کے لیے دعا کرتے رہے کہ ۔

"خدایا جن لوگوں نے میری چغلی کھائی ہے اور مجھے میرے وطن سے نکلوایا ہے اور مجھے میرے بھائیوں سے جدا کروایا ہے اُن کے مال اور اولاد میں ترقی دے ، انہیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا ۔"

Marfat.com

دہلی میں ایک نہایت فاسق و فاجر شخص حضرت باقی باللہؒ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ وہ آپ کا سخت دشمن تھا اور ہمیشہ آپ کے خلاف بکواس کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے کسی ارادت مند نے حاکم شہر سے کہہ کر اس کو گرفتار کروا دیا۔ حضرت باقی باللہؒ کو پتہ چلا تو اس ارادت مند سے کہا کہ بھئی تم نے ہمارے پڑوسی کو گرفتار کیوں کروا دیا۔ اس نے عرض کیا کہ وہ آپ کی شان میں حد سے زیادہ گستاخی کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں کیا اور میری شان کیا۔ جو کچھ وہ مجھے کہتا تھا میں اس سے زیادہ گنہگار ہوں اور اس گرفتار کروانے والے سے فرمایا کہ بھائی تم نیکوکار آدمی ہو اس لئے تمہیں دوسرے لوگ بداعمال نظر آتے ہیں۔ میں تو اپنے سے زیادہ بُرا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اس پر وہ مرید شرمندہ ہوا اور اس شخص کو رہا کروا دیا۔ وہ بھی اس حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ حضرت خواجہ کو ایذا دینے سے توبہ کر لی۔

حضرت معروف کرخیؒ کے ہاں ایک بوڑھا اور مریض شخص مہمان ہوا۔ وہ بہت سے امراض کا شکار تھا اور سخت درشت مزاج اور چڑچڑا تھا۔ حضرت معروف کرخیؒ مسلسل کئی رات اس کی تیمارداری کے لئے جاگتے رہے۔ ایک رات تھوڑی دیر کے لیے ان کی آنکھ لگ گئی تو اس احسان فراموش بوڑھے نے انہیں کوسنا شروع کر دیا۔ اور آپ کو متکبّر، فریبی، مکّار، دین فروش اور خدا جانے کیا کیا کہا مگر آپ نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ آپ کی بیوی کو اس پر سخت غصّہ آیا اور حضرت کو مشورہ دیا کہ اسے نکال باہر کیجئے اس پر حضرت معروف کرخیؒ ہنس پڑے اور بیوی کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

جفائے چنیں کس بباید شنود
کہ نتواند از بے قراری غنود

Marfat.com

چو خود را قوی حال بینی و خوشش
بشکرانہ بار ضعیفاں بکش!

(کسی ایسے آدمی کی جفا کو سننا چاہیئے جو بے چینی کی وجہ سے سو نہ سکا ہو۔ جب تو اپنے آپ کو خوش حال اور قوی دیکھے تو شکرانے میں ضعیفوں کا بار برداشت کر)

صالحین کی زندگی میں اس قسم کے علم و عفو کے واقعات ان گنت و بے شمار ہیں ان واقعات کو پڑھ کر محسوس یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی انا پر ایسی زبردست فتح پا چکے تھے کہ جو باتیں ایک عام انسان کو چراغ پا کر دیتی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کا منہ نوچ لے وہ ان پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالتی تھیں۔ جس آسانی سے وہ زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیتے تھے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہیں تھا کہ انہیں غصہ آتا تھا اور پھر وہ غصے کو دبا لیتے تھے بلکہ وہ حقائق بینی کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ انہیں ایسی باتوں پر سرے سے غصہ آتا ہی نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوبکرؓ کا فرمان ہے کہ خدا نے اسلام اور اہل اسلام کو طیش اور غضب سے پاک کر دیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے وہی اہل اسلام مراد ہیں جن کے دلوں میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا بیج بہ انجام اس طرح رچ بس چکا ہے کہ طیش و غضب ان پر اثر انداز ہونے سے عاجز محض ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کرۂ ارض میں زندگی گزارتے ہوئے انسان کو مختلف اقسام کے ان گنت لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ وہ سبھی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے، نہ سبھی صلح کل اور لحاظ کرنے والے ہوتے ہیں۔ تاہم ہمارے لیے ممکن نہیں کہ مرضی کے لوگوں سے تو تعلق رکھیں۔ اور جو مرضی کے نہ ہوں ان سے قطع تعلق کر لیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جو ہماری مرضی کا نہیں اور ساتھ ہی بدخلق اور بد لحاظ بھی ہے وہ ہمارا کوئی اتنا

Marfat.com

قریبی رشتے دار ہو کہ اس سے تعلقات توڑ کر ہم نے گنہگار ہی ہونا ہو۔ مفتی محمد حسنؒ کا فرمان ہے:

"انہیں لوگوں کے ساتھ گزارا کرنا ہے۔ فرشتوں کے ساتھ تو نہیں کرنا۔ لوگ جیسے بھی ہوں گزارا کرنا چاہیئے!"

حبّ دین، سمجھ داری اور وسیع النظری:

حقوق کی ادائیگی، عفو و درگزر اور صبر و تحمل کے علاوہ قریبی ماحول میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لیے بھی وہی چیزیں مفید ثابت ہوتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یعنی دین کی محبّت سمجھ داری، فراخدلی، وسیع القلبی، وسیع النظری وغیرہ، حبّ دین کے باعث جب آپ سب مسلمانوں کے لیے تفرع و زاری سے دعا کر رہے ہوں کہ

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

"اے خدا جس دن تو حساب قائم کرے تو میری اور میرے والدین کی اور تمام مومنوں کی بخشش فرما دینا۔"

اور یہ کہ

اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ۔

"اے خدا تائید کر اسلام کی اور سب مسلمانوں کی۔"

اور جب آپ اپنی پوری ملّت کے لیے التجائیں کر رہے ہوں کہ

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُہِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

Marfat.com

"اے خدا ہمیں زیادہ کر اور ہمیں کم نہ کر اور ہمیں آبرو دے
اور ہمیں خوار نہ کر اور ہمیں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ رکھ"
تو ایسے اوقات میں یاد کر لیا کیجئے کہ جس اہل خانہ، یا رشتے دار، یا ہمسائے یا محلے دار، یا ملنے والے سے آپ کی ٹھنی ہوئی ہے وہ اسی گروہ کا ایک حصہ ہے جس کے لئے آپ تضرع و زاری سے دعا کر رہے ہیں اور آپ کی یہ دعائیں براہ راست اسے بھی پہنچ رہی ہیں تو پھر یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو کسی انسان کے لئے ایسے تضرع و زاری سے دعا کی جائے اور دوسری طرف اس سے زیادتی کی جائے یا اس کی زیادتی کو کسی صورت معاف نہ کیا جائے
ایسے ہی جب عالم اسلام میں کسی جگہ خدانخواستہ کوئی تکلیف آئے اور آپ کا دل غم سے چور ہو رہا ہو یا کسی مسلمان علاقے پر خدا کا کوئی فضل ہو اور آپ کا دل مسرت سے لبریز ہو رہا ہو تو یاد کر لیا کیجئے کہ جس قریبی سے آپ کو اتنی نفرت ہے کہ اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں وہ بھی اس غم اور اس خوشی کو ٹھیک آپ ہی کی طرح محسوس کر رہا ہے۔ اب یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس انسان کی خوشیوں اور غموں کے مآخذ بھی وہی ہیں جو آپ کے ہیں اس سے آپ کو اتنی شدید نفرت ہو۔
پھر جب ہم تاریخ کے وہ واقعات پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں جب دشمن کی طاقت نے نہیں بلکہ مسلمانوں کی اپنی بے اتفاقی نے ان پر تباہیاں ڈھائی تھیں تو دل پر چھریاں چلنے لگتی ہیں۔ ایسے اوقات میں یہ یاد کر لینا چاہیئے کہ یہ وہی بے اتفاقی اور وہی پھوٹ ہے جو ہم نے بھی اپنے قریبی ماحول میں پیدا کر رکھی ہے اور جسے قائم رکھنے پر ہم مصر ہیں۔ فرق تو صرف پیمانے کا ہے وہ ہولناک واقعات بڑے پیمانے کی پھوٹ کا نتیجہ تھے۔ ہماری پھوٹ کا پیمانہ نسبتاً محدود ہے

Marfat.com

تاہم یہ قریبی ماحول ہی وہ تربیت گاہ ہے جس میں تربیت حاصل کر کے انسان بڑے پیمانے کی بھوٹ کا ارتکاب بھی کر گزرتا ہے۔

آیاتِ الٰہی :

آخر میں یہاں کچھ آیاتِ الٰہی کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن پر خالص نیت اور سچے دل سے عمل کرنے سے قریبی ماحول میں اسلامی اخوت قائم کرنے میں انشاء اللہ تعالیٰ بہت زیادہ آسانی اور سہولت حاصل رہے گی :

"اللہ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو" (النحل آیت ۹۰)

"اور تم اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ (حسن سلوک سے پیش آؤ) اور رشتے دار ہمسائے سے اور اجنبی ہمسائے سے اور پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں (احسان کا معاملہ رکھو) یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے" (النساء ۳۶)

"اور (اے نبیؐ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ آپ بدی کو اس نیکی سے دفع کریں جو بہترین ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا

Marfat.com

مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ اور اگر آپ شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کریں تو اللہ کی پناہ مانگ لیں۔ بے شک وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

(حٰم السجدۃ ۳۴، ۳۵، ۳۶)

"(اے نبیؐ) ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ آپ پر بناتے ہیں ان سے آپ کے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ پس (اس کا علاج یہ ہے کہ) آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کریں اور سجدے کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو وہ گھڑی آئے جس کا آنا یقینی ہے۔"

(الحجر ۹۸، ۹۹)

آخری دو آیات سے جس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جب شیطان دل میں برے خیال ڈالتا محسوس ہو یا لوگوں کی باتیں دل کو پریشان کریں تو خدا کے ذکر کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ شیطان کی اکساہٹ پر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے۔ یعنی میں شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں یا مانگتی ہوں۔ اور لوگوں کی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں تو سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھا جائے یعنی خدا کی پاکی بیان کی جائے اور اس کی تعریف کی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

پیوستہ رہ شجر سے

حارث اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنواسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ قریب تھا کہ وہ ان کی تعمیل میں دیر لگاتے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اُن سے فرمایا کہ خدا نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنواسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں پس یا تو آپ انہیں حکم دیں یا پھر میں انہیں حکم دیتا ہوں حضرت یحییٰؑ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے پہلے ان باتوں کا حکم دے دیا تو کہیں مجھے دھنسا نہ دیا جائے یا مجھے عذاب نہ دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا تو وہ (لوگوں سے) بھر گیا۔ اور (باقی لوگ) اس کے بالائی حصے پر بیٹھے حضرت یحییٰؑ نے (انہیں) فرمایا کہ اللہ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی ان پر عمل کروں اور تمہیں بھی حکم دوں کہ ان پر عمل کرو۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور بیں

Marfat.com

نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے خالص اپنے مال سے ایک غلام خریدا، سونے سے (خریدا) یا چاندی سے۔ اور (اس غلام سے) کہا کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے۔ تو کام کر اور (اپنی کمائی) مجھے دے (لیکن اس غلام نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ) وہ کام کرتا اور کمائی اپنے مالک کے سوا کسی اور کو دے دیتا۔ پس تم میں سے کون اسے پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اور خدا نے تمہیں حکم دیا ہے نماز پڑھنے کا۔ پس جب تم نماز پڑھو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ کیونکہ جب انسان نماز میں ہوتا ہے تو جب تک وہ (نمازی) دائیں بائیں نہ دیکھے خدا اپنے چہرے کو اس کے چہرے کی طرف کئے رہتا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں روزوں کا حکم دیا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جو لوگوں کی ایک جماعت میں ہو۔ اس کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مُشک ہو۔ پس وہ ان سب لوگوں کو خوش کر رہا ہو یا (حضورؐ نے یوں فرمایا کہ) اس کی خوشبو اسے خوش کر رہی ہو بے شک روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے اور میں تمہیں خیرات (کرنے) کا حکم دیتا ہوں اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جس کے دشمن نے اسے قید کر لیا ہو۔ ان لوگوں نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا ہو۔ اور اسے لے چلیں تاکہ اس کی گردن مار دیں۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں تمہیں اپنی جان کے عوض اپنا کم اور زیادہ (سارا) مال دیتا ہوں (اس طرح) اس نے (اپنا مال دے کر) اپنی جان کو ان سے چھڑا لیا ہو (ایسے ہی خیرات کرنے سے انسان کی جان جہنم کے عذاب سے نجات پا لیتی ہے) اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو یاد کرو اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جس کے دشمن تیزی سے اس کا پیچھا کر رہے ہوں، یہاں تک کہ اچانک اسے ایک محفوظ قلعہ مل جائے

Marfat.com

اور (اس میں پناہ لے کر) وہ اپنی جان کو اُن سے بچالے یہی حال بندے کا ہے کہ وہ صرف خدا کے ذکر ہی (کی مدد) سے اپنے آپ کو شیطان سے بچا سکتا ہے۔ (یہ بات بیان کر کے پھر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ میں (بھی) تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے (وہ پانچ چیزیں یہ ہیں) سننا اور اطاعت کرنا اور جہاد اور ہجرت اور جماعت۔ بے شک جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کا پھندا نکال ڈالا سوائے اس کے کہ پھر (جماعت کی طرف) لوٹ کر آ جائے۔ اور جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ دوزخ کی جماعتوں میں سے ہے۔ (جب حضورؐ نے یہ فرمایا تو) ایک شخص نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ چاہے وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ (ہاں) چاہے وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو تم (صرف) اللہ کی پکار پکارو جس نے تم لوگوں کا نام "مسلمان"، "مومن" اور "خدا کے بندے" رکھا ہے۔

(ترمذی)

اس حدیث میں حضورؐ نے پہلے وہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں جو حضرت یحییٰؑ نے اپنی قوم کے آگے بیان کی تھیں اور پھر پانچ چیزیں اپنی طرف سے مسلمانوں کے آگے بیان فرمائیں جن میں ایک یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا یہ ہے کہ صرف انفرادی زندگی کو کافی نہ سمجھے بلکہ یاد رکھے کہ وہ ایک مسلمان فرد ہونے کے علاوہ ملت اسلامیہ کا ایک رکن بھی ہے۔ اُسے اجتماعی زندگی کے بارے میں دین اسلام کے احکام کی تعمیل کرنا ہوگی، جماعتی نظم کی پابندی کرنا ہوگی، ہر اس حرکت سے پرہیز کرنا ہوگی اگرچہ انفرادی طور پر اسے مضر محسوس نہ ہو مگر ملت اسلامیہ کو بحیثیت مجموعی

Marfat.com

نقصان پہنچانے والی ہو اور اُسے ان اعمال کو حتی الامکان اختیار کرنا ہو گا جن کا انفرادی فائدہ اُسے نظر آئے یا نہ آئے مگر وہ مسلمانوں کے لئے بہ حیثیت جماعت مفید ہوں ۔

جس مسلمان نے نظمِ جماعت کو بے ضرورت سمجھا ، سنّت کو ترک کر کے اسلام میں جماعتی زندگی کی اہمیت ضرورت اور تاکید کو نظر انداز کیا اور اجتماعی زندگی سے علیحٰدہ ہو کر انفرادی زندگی گزارنا کافی سمجھا ، حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق ایسے شخص کا ایمان نامکمل رہا اور جس نے جماعت سے ذرا سی بھی علیحدگی اختیار کی حضورؐ کے فرمان کے مطابق گویا وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا جب تک کہ دوبارہ جماعتی زندگی کو اختیار نہ کر لے ۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کی پکار پکارنے والے دوزخ کی جماعتوں میں سے ہوں گے چاہے نماز پڑھتے ہوں اور روزے رکھتے ہوں ۔ اسلام پر ایمان لانے والوں کو خداوند تعالیٰ نے "مسلم" "مومن" اور "خدا کے بندے" جیسے معزز نام عطا فرمائے ہیں ، لہٰذا انہیں صرف خدا کی پکار پکارنی چاہیئے ، جاہلیت کی پکار نہیں پکارنی چاہیئے ان کے شایانِ شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کے نام اور خدا کے دین کی طرف پکاریں اور انسانوں کو اسی مرکز کے گرد اکٹھا کریں ۔

جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ جو صورت حالات بھی ہو وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو ملّت اسلامیہ کے لیے مضر ہو یا اس کے اتحاد کو نقصان پہنچانے والا ہو ۔ اسے پورا محتاط ہونا چاہیئے کہ وہ ملّت اسلامیہ سے کٹ کر علیحدہ نہ ہو ورنہ اس کا حال اس بکری جیسا ہو گا جو ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو بھیڑیا اسے کھا لیتا ہے ۔ اسلام میں فرد کو انفرادی آزادی بھی بہت دی گئی ہے مگر اسے اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنی انفرادی آزادی کو اتنا

Marfat.com

بڑھائے کہ جماعت کو نقصان پہنچا دے۔ کیونکہ بہت کچھ انفرادی آزادی حاصل ہونے کے باوجود وہ ملت اسلامیہ کا ایک رکن بھی ہے۔ ذیل میں جو طویل حدیث بیان ہوئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دین کی روح کو سمجھا تھا وہ کس طرح ہر حالت میں اپنے آپ کو جماعت سے وابستہ رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور جماعت کے نظم و نسق کی پوری پوری پابندی کرنے کو اپنے ایمان کا ایک ناگزیر تقاضا شمار کرتے تھے۔

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوے لڑے ان میں سے کسی غزوے میں بھی میں پیچھے نہ رہا سوائے غزوۂ تبوک کے اور غزوۂ بدر کے مگر بدر سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر عتاب نازل نہیں ہوا تھا (کیونکہ بدر میں تو) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے قافلے کا ارادہ کر کے نکلے تھے مگر اللہ نے مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کی مڈ بھیڑ کرا دی بغیر اس کے کہ اس کا پہلے سے کوئی فیصلہ کیا گیا ہو اور میں عقبہ کی رات بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا معاہدہ کیا تھا اور مجھے تو (معاہدۂ) عقبہ میں شریک ہونا (جنگ) بدر میں شریک ہونے سے زیادہ عزیز ہے اگرچہ (جنگ) بدر کو لوگوں میں (معاہدۂ) عقبہ کی نسبت زیادہ زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور (واقعۂ تبوک کے وقت) میری صورت یہ تھی کہ مالی لحاظ سے جتنا مضبوط اور خوشحال میں اس وقت تھا جب میں اس غزوے میں حضورؐ سے پیچھے رہ گیا تھا اتنا اس سے پہلے کبھی نہ رہا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میرے پاس کبھی بھی دو سواریاں جمع نہ ہوئی تھیں۔ مگر اس غزوے میں میں دو سواریوں کا مالک تھا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب بھی آپؐ کسی غزوے کا قصد کرتے تو (صاف صاف پتہ نشان نہ بتاتے بلکہ) اصل مقام کو چھپاتے

Marfat.com

اور ایسی بات کرتے جس سے کسی اور جگہ جانا سمجھا جائے مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کا (یعنی غزوۂ تبوک) کا ارادہ فرمایا تو گرمی شدید تھی اور سفر جو درپیش تھا وہ بہت لمبا تھا اور راستے میں ایسے جنگل تھے جہاں پانی نہیں تھا۔ اور دشمن کی تعداد کثیر تھی۔ لہٰذا حضورؐ نے مسلمانوں پر اس معاملے کی وضاحت فرما دی تھی تاکہ لوگ غزوے کی (کما حقہٗ) تیاری کر لیں اور انہیں وہ سمت بھی بتا دی تھی جہاں جانے کا حضورؐ نے قصد کیا تھا۔ (اس وقت) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں سب کے نام محفوظ ہوتے یعنی سپاہیوں کے ناموں کا رجسٹر نہیں تھا۔ لہٰذا جو شخص غائب رہنا چاہتا تھا اسے یقین ہوتا تھا کہ حضورؐ کو اس کی غیر حاضری کا اس وقت تک پتہ نہیں چلے گا جب تک کہ اس کے بارے میں خدا کی طرف سے وحی نازل نہ ہو (اور اس میں نہ بتایا جائے کہ فلاں شخص غائب ہے) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کی تیاری اس وقت کی جب میوہ پک رہا تھا اور سائے میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ مسلمان (بھی) تیاریاں کر رہے تھے اور میں نے بھی قصد کرنا شروع کیا کہ ان کے ساتھ مل کر تیاری کروں، لیکن لوٹ کر آتا تو کچھ نہ کرتا۔ اور دل میں کہتا کہ (کوئی بات نہیں) میں تیاری کر سکتا ہوں ایسے ہی میرا معاملہ لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ (جانے کے لئے) لوگوں نے شدت سے تیاریاں شروع کر دیں اور پھر ایک صبح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان روانہ ہو گئے اور میں نے ابھی کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ میں نے پھر (دل میں یہی) کہا کہ (حضورؐ چلے گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں) میں آپؐ کے بعد ایک دو دن میں تیاری کر کے ان لوگوں کو جا ملوں گا۔ غرضیکہ ان لوگوں کے رخصت ہونے

Marfat.com

کے پیچھے میں نے پھر تیاری کرنے کا قصد کیا۔ لیکن (گھر) واپس آتا تو کچھ تیاری نہ کرتا۔ پھر (تیاری کا) قصد کرتا مگر پھر لوٹ کر آتا تو (تیاری) نہ کرتا
پس میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ مجاہدین بہت دور پہنچ گئے اور جہاد (میں شامل ہونے) کا وقت نکل گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کوچ کر جاؤں اور ان لوگوں کو جا لوں، کاش کہ میں ایسے کر لیتا۔ مگر میری تقدیر میں یہ نہیں تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد جب میں باہر لوگوں میں جاتا اور ان کے درمیان پھرتا تو میں یہ دیکھ کر غمزدہ ہو جاتا کہ یا تو مجھے وہ لوگ نظر آتے جن پر منافق ہونے کا اتہام تھا۔ یا پھر وہ کمزور لوگ نظر آتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذور قرار دیئے گئے تھے۔ تبوک پہنچنے تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یاد نہ فرمایا پھر تبوک میں جب آپؐ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا کہ کعبؓ نے کیا کیا (یعنی کعبؓ کہاں ہے) تو (قبیلہ) بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ انہیں اپنے لباس اور اپنے حسن و جمال پر نازاں ہونے نے روک لیا ہے (یعنی وہ اپنے لباس اور اپنے حسن و جمال پر خوش ہوتے رہے اور جہاد کی تیاری کی فرصت نہ پائی) اس پر حضرت معاذؓ بن جبل نے (اس سے) کہا کہ آپ نے بری بات کی ہے، خدا کی قسم یا رسولؐ اللہ، ہم تو انہیں اچھا آدمی ہی جانتے ہیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے خبر پہنچی کہ حضورؐ لوٹ کر آ رہے ہیں تو میں فکر میں مبتلا ہو گیا۔ اور جھوٹے بہانے سوچنے لگا اور کہنے لگا کہ کونسی شے ہے جو کل مجھے حضورؐ کے غصے سے بچا سکے گی۔ اور میں نے اس سلسلے میں اپنے گھرانے کے ہر صاحب الرائے شخص سے امداد مانگی۔ پھر جب کہا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچ گئے ہیں تو باطل مجھ سے دور ہو گیا۔

Marfat.com

(یعنی جھوٹے بہانے پیش کرنے کا خیال دل سے نکل گیا) اور میں نے جان لیا کہ کوئی جھوٹی بات کر کے میں آپ کے غصے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ پس میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد جاتے اور وہاں دو رکعتیں ادا کرتے پھر لوگوں کے لیے بیٹھتے۔ پس (اس دفعہ بھی) جب آپ نے ایسا ہی کیا تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسی سے کچھ اوپر تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر قبول فرما لیے۔ اور ان سے (دوبارہ) بیعت لی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور ان کے دلوں کے خیالات کو خدا کے حوالے کر دیا۔ پھر میں آپ کے پاس آیا۔ جب میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ اس شخص کی طرح مسکرائے جو غصے میں ہو۔ پھر فرمایا کہ آؤ۔ میں چلتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے کس شے نے پیچھے رکھا؟۔ کیا تو اپنی سواری نہیں خرید چکا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا کسی اور دنیا والے کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں سمجھتا کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کے غصے سے بچ جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے بھی قوت، کلام اور فصاحت عطا کی گئی ہے، لیکن خدا کی قسم میں (اچھی طرح) جانتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹی باتیں کر کے آپ کو راضی کر بھی لوں تو عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے پھر ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچ بولوں گا تو چاہے اس سے آپ مجھ سے ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں تاہم اس کے باعث، مجھے اللہ کی بخشش اور مغفرت کی امید رہے گی (میں جھوٹ نہیں بولوں گا) خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہ تھا، خدا کی قسم میں مالی لحاظ سے کبھی بھی اتنا مضبوط اور خوشحال نہ تھا جتنا اس وقت تھا جب

Marfat.com

میں آپ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے سچ بولا ہے۔ اچھا اب اٹھ کھڑے ہو یہاں تک کہ اللہ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرما دے۔ پس میں اٹھ کھڑا ہوا (میرے بیان سے قبیلہ) بنو سلمہ کے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیے اور مجھے کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہمیں معلوم نہیں کہ تو نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔ تو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی عذر کیوں نہ پیش کر دیا جیسے ان پیچھے رہ جانے والے لوگوں نے پیش کیے تھے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرے لیے دعائے مغفرت کر دینا تیرے گناہ (کو مٹا دینے) کے لیے کافی ہو جاتا۔ پس خدا کی قسم وہ لوگ مجھے شدت سے ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ (حضور کی طرف) لوٹ جاؤں اور اپنی پہلی بات کو غلط قرار دیتے ہوئے کوئی عذر پیش کر دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں دو آدمی ہیں۔ انہوں نے ایسے ہی کہا جیسے تم نے کہا اور انہیں وہی کہا گیا جو تمہیں کہا گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہؓ بن ربیع العمری اور ہلالؓ بن امیہ الواقفی۔ انہوں نے مجھ سے دو ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جو صالح تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ ان میں (میرے لیے اچھا) نمونہ تھا۔ پس جب ان لوگوں نے میرے ساتھ ان دو کا ذکر کیا (کہ انہوں نے بھی ویسے ہی کہا جیسے میں نے کہا) تو مجھے اطمینان ہو گیا اور) میں چل دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ حضور سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہمیں تینوں کے لیے خصوصی طور پر یہ حکم دیا گیا تھا۔ اس پر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا اور وہ ہمارے لیے بدل کر کچھ اور ہی ہو گئے۔

Marfat.com

یہاں تک کہ مجھے زمین بھی اجنبی لگنے لگی، یہ وہ زمین ہی نہیں تھی جسے میں پہچانتا تھا۔ پچاس راتوں تک ہم اسی حالت میں رہے۔ جہاں تک میرے دونوں ساتھیوں کا تعلق تھا انہوں نے تو عاجزی اختیار کرلی، اور گھروں میں بیٹھ کر روتے رہتے مگر میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ نوجوان اور قوی تھا۔ پس میں نکلتا تھا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا۔ اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مگر کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آتا تھا۔ اور نماز کے بعد جب آپؐ بیٹھے ہوتے تو آپؐ کو سلام کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا کہ کیا مجھے سلام کا جواب دینے کے لئے آپؐ کے ہونٹ ہلے تھے یا کہ نہیں ہلے تھے۔ پھر حضورؐ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور آنکھیں چرا کر آپؐ کو بھی دیکھتا رہتا (اور حال یہ تھا کہ) جب میں نماز میں ہوتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے رہتے اور جب میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے جب لوگوں کی بے مروتی میرے لئے بہت لمبی ہوگئی تو میں چلا یہاں تک کہ ابو قتادہؓ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ ابو قتادہؓ میرے چچازاد بھائی تھے۔ اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ اے ابو قتادہؓ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کو چاہنے والا نہیں جانتے۔ وہ خاموش رہے میں نے اپنی بات دہرائی اور انہیں قسم دلائی، وہ پھر خاموش رہے میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور انہیں قسم دلائی تو انہوں نے کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں (یہ بات سن کر) میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں واپس مڑا اور دیوار پھاند کر (گھر کی طرف) چل دیا۔ (حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ) اسی دوران میں (ایک دن) میں مدینہ منورہ کے بازار میں چل رہا تھا

Marfat.com

کہ کیا دیکھتا ہوں کہ شام کے نبطی جو مدینہ منوّرہ میں غلّہ لا کر بیچتے ہیں، ان میں سے ایک نبطی ہے جو کہہ رہا ہے کہ مجھے کعبؓ بن مالک کا پتہ کون بتائے گا۔ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے (کہ کعبؓ بن مالک یہی ہوں) لہٰذا وہ میرے پاس آیا اور مجھے (علاقہ) غسّان کے بادشاہ کی طرف سے ایک خط دیا۔ اس میں لکھا تھا "امّا بعد، مجھے خبر پہنچی ہے کہ تمہارے پیغمبرؐ تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ نے تمہیں ذلیل نہیں بنایا اور نہ ایسا بنایا ہے کہ تجھے ضائع کر دیا جائے۔ تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری امداد کریں گے"۔ جب میں نے یہ خط پڑھا تو میں نے (دل میں) کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ پس میں نے اس خط کو لیا اور اسے تنور کا ایندھن بنا دیا (یعنی اسے جلا دیا) پچاس راتوں میں سے چالیس گزر گئیں تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میری طرف قاصد بھیجا اس نے کہا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہیں۔ میں نے کہا کہ کیا اسے طلاق دے دوں؟ یا پھر کیا کروں؟ قاصد نے کہا کہ نہیں (طلاق نہ دیں) بس اس سے علیحدہ رہیں اور اس کے قریب نہ جائیں۔ اور ایسا ہی پیغام حضورؐ نے میرے باقی دو ساتھیوں کو بھی بھیجا (جو زیرِ عتاب تھے) پس میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور انہیں کے پاس رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا کوئی فیصلہ فرما دے۔ پھر ہلالؓ بن اُمیّہ کی بیوی رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ہلالؓ بن اُمیّہ بوڑھے آدمی ہیں جو بے کار ہو چکے ہیں اور ان کا کوئی خادم نہیں ہے۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپؐ اسے ناپسند فرمائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ ہلالؓ بن امیّہ کی بیوی نے عرض کیا کہ خدا کی قسم، انہیں تو کسی (ایسی) شئے کی خواہش ہی نہیں۔ خدا کی قسم جب سے یہ بات ہوئی ہے تب سے لے کر آج تک وہ مسلسل رو رہے

Marfat.com

جا رہے ہیں۔ پھر میرے گھرانے والوں میں سے بھی بعض نے مجھے کہا کہ کاش کہ آپ بھی اپنی بیوی کے معاملے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی اجازت لے لیں جیسی حضورؐ نے ہلالؓ بن امیہ کی بیوی کو دی ہے تاکہ آپ کی بیوی آپ کی خدمت کرتی رہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اس کے معاملے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ مجھے کیا معلوم کہ اگر میں اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگوں تو حضورؐ کیا فرمائیں۔ اس لیے کہ میں (ہلالؓ بن امیہ کی طرح بوڑھا آدمی تو نہیں ہوں) میں تو جوان آدمی ہوں۔ (غرضکہ اس کے بعد دس راتیں اور گزر گئیں یہاں تک کہ جب سے حضورؐ نے (لوگوں کو) ہمارے ساتھ بات کرنے سے منع فرمایا تھا تب سے لے کر آج تک پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو جب میں نے فجر کی نماز پڑھی اور میں اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی پچھلی طرف بیٹھا ہوا تھا اور میں اسی حال میں تھا جس کا خدا تعالیٰ نے (اپنے کلام پاک میں) ذکر کیا ہے کہ زندگی میرے لیے اجیرن ہو چکی تھی اور زمین اپنی تمام وسعت کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی تھی کہ (اچانک) میں نے کسی چیخنے والے کی آواز سنی جو سَلع (پہاڑ) پر چڑھ کر انتہائی بلند آواز میں پکار رہا تھا کہ اے کعبؓ بن مالک، خوشخبری قبول کرو۔ حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) میں سجدے میں گر گیا اور جان گیا کہ مشکل آسان ہو گئی ہے۔ پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کی تو اللہ تعالیٰ کے ہماری توبہ قبول فرمانے کا اعلان کر دیا (بس) پھر لوگ ہمارے پاس خوشخبری دینے کے لئے آنے لگے۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری دینے والے گئے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا اور (قبیلۂ) بنو اسلم کا ایک شخص دوڑا اور پہاڑ پہ چڑھ گیا (اور وہاں سے پکار کر مجھے

Marfat.com

خوشخبری دی) اور یہ آواز گھوڑے سے زیادہ تیزی سے (مجھ تک) پہنچی پھر جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سُنی تھی جو مجھے خوش خبری دے رہی تھی تو اس خوشخبری کے عوض میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اسے پہنا دیئے۔ خدا کی قسم اس روز ان دو کپڑوں کے سوا میرے پاس اور کوئی کپڑا نہ تھا پس میں نے دو کپڑے ادھار لیے اور انہیں پہن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا (راستے میں) لوگ فوج در فوج مجھے مل رہے تھے۔ اور توبہ قبول ہونے پر مجھے مبارک باد دے رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کی توبہ قبول کر لینا آپ کو مبارک ہو۔ حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ (لوگ اس طرح مجھے ملتے اور مبارکیں دیتے رہے) یہاں تک کہ میں مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اور آپؐ کے ارد گرد لوگ جمع تھے (میں پہنچا تو) حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ تیزی سے چلتے ہوئے میری طرف آئے اور میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ اور مجھے مبارک دی۔ خدا کی قسم مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہؓ ہی نے کیا۔ میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ پھر جب میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو (دیکھا کہ) آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپؐ نے فرمایا کہ تجھے خوش خبری ہو۔ اپنے اس دن کی جو تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک کے سب دنوں میں سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ معافی آپؐ کی طرف سے ہے یا رسولِ خدا یا خدا کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں (میری طرف سے نہیں) بلکہ خدا کی طرف سے ہے

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب آپؐ خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرۂ مبارک اس طرح چمکنے لگتا گویا کہ وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور اس سے ہم آپؐ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔ پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا

Marfat.com

تو میں نے عرض کیا کہ یا رسولُ اللہ میری توبہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے خیرات کر دوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے لیے بھی رکھو۔ ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (بہت خوب) میں اپنا خیبر والا حصہ رکھے لیتا ہوں (باقی خیرات کر دیتا ہوں) پھر میں نے عرض کیا کہ یارسولُ اللہ اللہ تعالیٰ نے سچائی کے باعث مجھے نجات عطا فرمائی ہے تو میری توبہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اب جب تک میں زندہ رہوں گا ہمیشہ سچ ہی بولوں گا۔ پس خدا کی قسم کہ جب سے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس پر خدا نے سچ کے باعث اس سے بڑھ کر مہربانی فرمائی ہو۔ جو اس نے مجھ پر فرمائی۔ جب سے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا ہے۔ اس دن سے لے کر آج تک میں نے کبھی جھوٹ بولنے کا قصد نہیں کیا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ میری بقیہ زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا۔۔۔۔۔۔۔ (بخاری)

یہ حدیث جماعت سے وابستگی کی وہ صحیح تصویر پیش کر رہی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے۔ حضرت کعبؓ بن مالک مؤمنین صالحین میں سے تھے مگر جہاد کے معاملے میں جب ان سے ایک کوتاہی ہو گئی تو انہیں اس کی سخت سزا سہنی پڑی اور یہ سزا ایک دو روز کے لیے نہیں تھی۔ بلکہ پورے پچاس روز جاری رہی۔ اس دوران میں حضرت کعبؓ نے انتہائی ذہنی اذیت سہی اور وہ اس بھری ہوئی دنیا میں بالکل تنہا ہو کر رہ گئے مگر اپنے محبوب رہنما اور اپنی اسلامی جماعت کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ دل کے کسی اندرونی گوشے میں بھی یہ خیال تک نہ گزرا کہ وہ اس سخت گیر جماعت کو چھوڑ کر کسی اور سے جا کر تعلق قائم کر لیں بلکہ جب دین کے ایک مخالف

Marfat.com

نے اس صورت حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس آجائیے تو انہوں نے اس پیغام پر غور کرنا تو کجا الٹا اسے ایک آزمائش سمجھا اور اس دعوت نامے کو آگ کی نذر کر دیا۔ پھر جس طرح خود حضرت کعبؓ نے اور مدینے کی ساری مسلمان آبادی نے اطاعت امیر اور نظم وضبط کے پابند رہنے کی مثال پیش کی وہ بے نظیر ہے۔ جب ایک دفعہ امیر نے فرما دیا کہ فلاں شخص سے بات نہیں کرنی تو اس آبادبستی میں ایک متنفس بھی ایسا نہ نکلا جو اس کی حکم عدولی کرتا۔ پھر جب اس انسان کو جانچ پرکھ لینے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اُسے معاف کر دیا جائے اور لوگوں سے نہ بولنے کی پابندی اٹھائی گئی تو لوگ جس طرح مبارک دینے کے لیے دوڑے اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دل اس سزا یافتہ شخص کی محبت سے بھرپور تھے۔ پچاس دن تک اس سے کلام نہ کرنا صرف اس لیے تھا کہ جماعتی نظم کا یہی تقاضا تھا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

Marfat.com

خواتین اور لڑکیوں کے لیے بہترین کتب

زندگی بے بندگی شرمندگی	اوّل	بنت الاسلام
〃 〃 〃	دوم	〃
〃 〃 〃	سوم	〃
〃 〃 〃	چہارم	〃
〃 〃 〃	پنجم	〃
〃 〃 〃	ششم	〃
〃 〃 〃	ہفتم	〃
〃 〃 〃	ہشتم	〃
〃 〃 〃	نہم	〃
〃 〃 〃	دہم	〃
〃 〃 〃	یازدہم	〃
اسوۂ حسنہ	اوّل	〃
〃 〃	دوم	〃
اسوۂ حسنہ	سوم	بنت الاسلام
حدیث کا قاعدہ		〃
حدیث کی پہلی کتاب		〃
حدیث کی دوسری کتاب		〃
حدیث کی تیسری کتاب		〃
غم نہ کر		
اسلامی معاشرہ		محمد یوسف اصلاحی
بچے کی تربیت		ابن فرید
پچھلے پہر		نیّر بانو

ادارہ بتول لاہور

Marfat.com